اپنے شر سے دوسروں کو بچائیے!

نبی ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

((علی کل مسلم صدقة .)) ''ہر مسلمان پر صدقہ کرنا ضروری ہے۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا: اگر مسلمان (مالی) استطاعت نہ رکھتا ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے کمائے، خود پر بھی خرچ کرے اور صدقہ بھی کرے۔'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مزید استفسار کیا: اگر وہ یہ کام بھی نہ کر سکے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''وہ مظلوم اور کرب زدہ ضرورت مند کی مدد کرے۔'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پھر پوچھا: اگر وہ ایسا بھی نہ کر سکے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے چاہیے کہ وہ نیکی کا حکم کیا کرے۔'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: اگر وہ اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

((فيمسك عن الشر ، فإنه له صدقة .))

''اسے چاہیے کہ وہ اپنے شر سے دوسروں کو بچا لے، یہ اس کے لیے صدقہ بن جائے گا۔'' (صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۶۰۲۲)

تکییف وتمثیل کے بغیر صفاتِ الٰہی پر ایمان

ہم اللہ تعالیٰ کے ان تمام اسمائے حسنیٰ اور اعلیٰ صفات پر ایمان رکھتے ہیں جن کا خود اُس نے یا اس کے رسول ﷺ نے اثبات فرمایا ہے۔لیکن ہم اسے دو بڑی غلطیوں: تمثیل اور تکییف سے مبرا مانتے ہیں:

تمثیل: تمثیل یہ ہے کہ کوئی مماثلت کرنے والا اپنے دل یا زبان سے یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات بعینہٖ مخلوق کی صفات کی طرح ہیں۔

تکییف: تکییف یہ ہے کہ دل یا زبان سے یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات ایسی ایسی ہیں، یعنی ان کی کیفیت بیان کی جائے۔

❁......اور ہم ہر اُس چیز کے انکار ونفی پر ایمان اور یقین رکھتے ہیں جس کی خود اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے متعلق نفی کی ہے یا اس کے رسول ﷺ نے اسے اس سے منزہ ومبرا قرار دیا ہے۔اور ہمارا اِس بات پر بھی یقین ہے کہ یہ نفی اس کی ضد کے کامل اثبات کا تقاضا کرتی ہے۔

❁......ہم ہر اُس چیز سے خاموشی اختیار کرتے ہیں جس سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے سکوت فرمایا۔

❁......ہم یقین رکھتے ہیں کہ اس راستے پر چلنا فرض اور ضروری ہے کیوں کہ جس کا اللہ تعالیٰ نے بہ ذات خود اپنے لیے اثبات کیا ہے یا اپنی ذات سے اس کی نفی کی ہے،ایک ایسی خبر ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے خود اپنے متعلق واضح کیا ہے اور وہ اپنے متعلق سب سے زیادہ جاننے والا اور سب سے زیادہ راست گو اور بہترین کلام کرنے والا ہے اور بندے اس کی ذات کا ادراک واحاطہ نہیں کر سکتے۔

❁......اور رسول اللہ ﷺ نے جس چیز کا اللہ تعالیٰ کے لیے اثبات کیا ہے یا جس چیز کی اللہ تعالیٰ سے نفی فرمائی ہے،وہ ایسی خبر ہے جس کی اللہ تعالیٰ کے متعلق اطلاع خود آنحضرت ﷺ نے دی ہے،جب کہ آپ ﷺ اپنے رب کو سب سے زیادہ جاننے والے،مخلوق کو سب سے زیادہ نصیحت کرنے والے،سب سے زیادہ سچے اور سب سے زیادہ فصاحت وبلاغت والے ہیں۔

❁......اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا کلام علم وصدق اور وضاحت وبیان کے اعتبار سے کامل ترین ہے،پس اس کو مسترد کرنے میں عذر اور اُس کے قبول کرنے میں کوئی تردد نہیں ہونا چاہیے۔

(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)



بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا

بانی: مولانا محمد عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ

سرپرست: مولانا ابوبکر صدیق السلفی حفظہ اللہ

16 رجب المرجب 1435ھ جمعۃ المبارک 16 تا 22 مئی 2014ء

الاعتصام

مسلک اہلحدیث کا داعی و ترجمان

ہفت روزہ

یکے از مطبوعات دارالدعوۃ السلفیۃ

شمارہ 20 جلد 66

خط کتابت کے لیے : ہفت روزہ الاعتصام، 31 شیش محل روڈ، لاہور

کرنٹ اکاؤنٹ نمبر : ABL 2466-4 بلال گنج برانچ، لاہور

فون نمبر : 042-3735 4406

فیکس نمبر : 042-37229802

رجسٹرڈ نمبر : CPL : 12

E-Mail: al.aitisam@gmail.com

بدل اشتراک

فی پرچہ	:	12/- روپے
سالانہ	:	500/- روپے
بیرونی ممالک سے	:	200/- ریال 60/- ڈالر امریکی

پرنٹر: پرنٹ یارڈ پرنٹرز، لاہور۔ ناشر: حافظ احمد شاکر، مقام اشاعت: 31 شیش محل روڈ لاہور 54000

اداریہ

یہ جمہوریت؟

محمد سلیم چنیوٹی

ان دنوں وطن عزیز جن مشکلات اور بحرانوں سے گزر رہا ہے وہ کسی سے ڈھکی چھپی نہیں۔ پاکستان میں جمہوریت کا راگ الاپنے والے جس طرح جمہوریت کی مٹی پلید کر رہے ہیں اس سے بھی کوئی ناواقف نہیں۔ مغرب کے نظامِ جمہوریت اور ہمارے ہاں کی جمہوریت میں زمین وآسمان کا جو فرق ہے وہ بھی سب کے سامنے ہے۔

مغرب والے تو جمہوریت کے تحت آنے والے حکمرانوں کو من وعن تسلیم کرتے ہیں اور اپوزیشن والے اپنے حقوق کے دائرے میں رہتے ہوئے اپنے عوام کی خدمت کرتے ہیں۔ یعنی جمہوریت کے تحت حکومت واپوزیشن والے دونوں اپنے عوام اور وطن ہی کا سوچتے اور انھی کے مفاد کی بات کرتے ہیں۔ یوں حکمران اپنی مدتِ اقتدار کو پورا کرتے ہیں پھر انتخابات کی ہماہمی شروع ہوتے ہی بھرپور سیاسی جدوجہد کا آغاز کر دیتے ہیں اور اس طرح وہ اپنے ملک وقوم کی خدمت ایک طریقے وسلیقے سے انجام دیتے ہیں۔

مغربی جمہوریت کا طریقہ ہمیشہ سے یہ رہا کہ ان کی لیڈرشپ ہمیشہ نیچے سے اوپر جاتی ہے یعنی جو شخص سیاست کا شوق اور اس کا شعور رکھتا ہو تو وہ سب سے پہلے محلے کی سطح سے اپنی سیاسی سرگرمیاں شروع کرتا ہے۔ پھر شہر کی سطح پر، پھر ڈسٹرکٹ اور اس کے بعد ملکی سطح پر اچھی شہرت پانے کے لیے پر تولتے ہیں۔ اس طرح ان کی لیڈرشپ اپنے کارناموں اور اپنے انجام دیے گئے اچھے اور غیر اچھے کاموں کی نسبت سے پہچانے جاتے ہیں، اور جو اپنی خدمت وصلاحیت کا لوہا منوالے اور عوامی فلاح و بہبود کے اُمور واقعی انجام دینے کے قابل ہو تو وہی عوام کا منظورِ نظر ہوا کرتا ہے۔ اس کے مقابل ہمارے ہاں کی بھی جمہوریت ہے۔ یہ جمہوریت پتا نہیں کہاں سے وارد ہوئی یا کس نے ایجاد کی ہے کہ ''جمہوریے'' ایک دوسرے ہی کی ٹانگیں کھینچتے رہتے ہیں۔ ہمارے ہاں کے عوام ایسے سادہ لوح ہیں جنھیں سیاستدان ہمیشہ ہی ''استعمال'' کر کے اپنے ''مطالب'' پورے کرتے رہے ہیں۔ یہاں کی سیاست عموماً موروثی اور خاندانی سیاست ہوتی ہے جو چند خاندانوں کے اردگرد ہی گھومتی ہے اور گھومتی رہے گی۔ عوام کو یہ کالانعام جانتے ہیں یعنی جانوروں جیسے۔ کہا جاتا ہے کہ جس نے عوام کو چارہ ڈالا یا خوش نما نعرہ دیا یہ اسی کا راگ الاپنے لگتے ہیں۔

ہمارے ہاں کے سیاست دانوں نے اب تک عوام میں پرفریب نعرے متعارف کروائے اور خوشنما وعدوں سے ان کو بہلایا مثلاً روٹی، کپڑا اور مکان، سرسبز پاکستان، سب سے پہلے پاکستان، پڑھا لکھا پاکستان وغیرہ کے سلوگن اور نعروں سے عوام الناس کو بہکایا اور ورغلایا جاتا رہا۔

ہمارے ہاں کی جمہوریت سے ہر سیاست دان نے تمتع کیا اور اپنی اپنی ''ہمت'' کے مطابق اسے اپنی خواہشوں کے لیے استعمال کیا۔ عوام الناس تو اس جمہوریت کی جہتوں کو ہی دیکھتے رہے یعنی وہ اس کی تراش خراش، اس کا حسن، اس کی زیبائی اور اس کی رونمائی کو دیکھ کر اس پر مرتے رہے اور اپنے محبوب لیڈروں کے دیے گئے جمہوری دلربا نعروں پر صدقے واری ہوتے رہے اور انھیں کرسیِ اقتدار تک پہنچانے میں مصروف رہے۔

حالانکہ تاریخ یہ بتاتی ہے کہ اقتدار کی کرسی کسی سے وفا نہیں کرتی دیکھی، اس کرسی سے کون کون نہیں گرا، اس کرسی کو بعض حکمرانوں نے بڑا مضبوط کہا، بعض نے کہا ''ہماری کرسی کو کوئی ہلا نہیں سکتا'' کسی نے وردی کہا اور کسی نے چھڑی بعض نے ہر طرح سے اپنی اقتدار کی کرسی سے محبت ومودّت کی مگر دیکھا یہ گیا ہے کہ یہ کرسی بالآخر ان کے گلے کی پھانس ہی بن گئی۔

میاں برادران کی حکومت کو قائم ہوئے ابھی ایک برس ہی مکمل ہوا ہے یہ ایک سال کیا مکمل ہوا کہ ہر طرف سے ان کے خلاف شور وغوغا بلند

ہونا شروع ہو گیا۔

یعنی ''جمہوریوں'' نے ایک جمہوری حکومت پر ہی آوازے کسنے شروع کر دیے ہیں۔

ان دنوں پاکستان تحریک انصاف اپنے چیئرمین جناب عمران خان کی قیادت و سیادت میں سب سے پہلے احتجاج کرنے والوں میں ہراول دستہ بن کر میدان میں نکلی ہے تو اس کے ساتھ ہی بزبان خود اور بقلم خود ''شیخ الاسلام'' کے لبادے میں ''کنٹینر سیاست'' کے معروف فن کار بھی کینیڈا میں بیٹھ کر اس تخریب کو ہوا دینے میں کوشاں ہیں۔ اس وقت وہ ٹھنڈی سانسیں تو کینیڈا میں لے رہے ہیں۔ جب کہ احتجاج کے لیے اُنھوں نے سرزمین پاکستان کو نشانے پر رکھا ہوا ہے۔ اُنھوں نے اپنے احتجاجی پروگرام کو جاری رکھنے کے عزم کے ساتھ اپنے محسنوں کی حکومت کے خاتمے کے لیے فائنل راؤنڈ کی کال بھی دینے کا عزم وارادہ ظاہر کیا ہے۔ اس کے برعکس چھوٹے میاں صاحب یعنی وزیر اعلیٰ پنجاب نے احتجاج کرنے والوں سے برملا کہا ہے کہ ''احتجاج کے نام پر ترقی کا راستہ روکنے والے قوم کے خیر خواہ نہیں۔ مزید کہا کہ خان صاحب اور مولوی صاحب کو عوام سے ہمدردی ہے تو اپنے عالی شان محلات سے باہر آئیں، میں بھی آتا ہوں، اور اُنھوں نے کہا کہ ہم علی الاعلان ملک وقوم کی ترقی و تعمیر میں دن رات کوشاں ہیں۔'' (نوائے وقت: ۱۲ مئی ۲۰۱۴ء)

....

دیکھا یہ گیا ہے کہ طاغوت نے کسی مسلم ملک کی ترقی وتعمیر دیکھ کر خوش تو کیا ہونا ہے بلکہ وہ اس کو برداشت ہی نہیں ہوتی۔ مشرف حکومت کے خاتمے پر زرداری حکومت آئی تو اقتدار کی کرسی پر دجالی مسکراہٹ سے پانچ سال گزار کر زرداری صاحب ''زر'' سمیٹتے رہے اور ملک کو لوڈ شیڈنگ، مہنگائی، بدامنی اور کرپشن جیسے بحرانوں میں دھکیلتے رہے جس پر وقت کا طاغوت اس جمہوری حکومت سے بڑا راضی باضی دیکھا گیا، سرے محل تو اب قصۂ پارینہ ہو چکا ہے۔ وزراء کی لوٹ کھسوٹ تو ہماری جمہوریت کا لازمہ بن چکا ہے۔ سوئس بینکوں کے اکاؤنٹس تو ''خیال رکھو'' کے سنہری اُصول کی بھینٹ چڑھ چکے ہوں گے اور یہی کھیل کھیلتے اس حکومت نے اپنا عرصۂ اقتدار مکمل کر لیا۔ ان کے اقتدار کی ٹرم جیسی ہی پوری ہوئی باقاعدہ انتخابات ہوئے، الیکشن کمیشن نے میاں نواز شریف کی کامیابی کا نوٹیفکیشن جاری کیا۔ اب ایک سال پورا ہوا ہی تھا کہ ''دھاندلی، دھاندلی کا شور'' اور ''سیاست نہیں ریاست بچاؤ'' جیسے پامال نعروں ومطالبات کی رٹ لگنی شروع ہو چکی ہے۔ اب رہے عوام الناس تو وہ پہلے ہی مہنگائی، بیروزگاری، دہشت گردی، لوڈ شیڈنگ، قتل وغارت، دھماکوں، ڈاکوؤں اور پتا نہیں کیسے کیسے بحرانوں سے دوچار ہیں کہ انھیں نہ دن کا چین ہے اور نہ رات کا سکون میسر۔ غربت کے ہاتھوں غریبوں کی بدحالی یہاں تک دیکھی جا رہی ہے کہ اپنے ہی بچوں کے گلے ایک محبت کرنے والی ماں جیسی ہستی ہی کاٹ رہی ہے۔ مہنگائی کے دیو سے نبٹنے کے لیے دن ورات محنت کر کے اپنے پیٹ پالنے والے عوام جس طرح جی رہے ہیں وہ یا تو اللہ کریم جانتا ہے یا وہ غریب جانتا ہے جس کا پالا ان نام نہاد غیر ملکی ایجنٹوں اور باہر کی سیاست کے لیے اندرونی فضاؤں کو بگاڑنے والوں سے پڑا ہوا ہے۔

سیاستدانوں سے التماس ہے کہ خدارا ملک وقوم کی فلاح و بہبود کا سوچا جائے۔ اس میں انصاف کیا جائے اس میں امن قائم کر کے اس سے محبت کے رشتے کو مضبوط کیا جائے، مسائل پیدا کرنے کے بجائے ان کو حل کیا جائے۔ بیروزگاروں، مزدوروں، کسانوں کو دووقت کی روٹی عزت وآبرو سے کمانے دی جائے چہ جائیکہ یہ نام نہاد پیشہ ور، سیاسی کھلاڑی اور شوق حکمرانی کے جنونی اناڑی پاکستان کے امن، اس کی عزت وآبرو سے کھیل کر نہ خود بے آبرو ہوں اور نہ عوام الناس کے دلوں سے نکلی ہوئی بددعاؤں سے اپنے دامن میں سیئات جمع کریں۔

اللہ کریم سے ہماری دلی دعا ہے کہ اللہ کریم طاغوت کی سازشوں کو ناکام کرے، طاغوت کے ہاتھوں کھلونا بننے والے نام نہاد رہنماؤں جو اصل میں راہزن ہیں کی سیاسی چالبازیاں ناکام فرمائے۔ اللہ تعالیٰ اس ملک کی خود آپ حفاظت فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

درس قرآن — قسط نمبر ٥٣

تفسیر سورۃ الصّٰفّٰت

مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ

﴿فَاَقْبَلُوْٓا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ ٥ قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ٥ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ٥ قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِي الْجَحِيْمِ ٥ فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ ٥﴾ [الصّٰفّٰت: ٩٤-٩٨]

"تو وہ دوڑتے ہوئے اس کی طرف آئے۔ اس نے کہا: کیا تم اس کی عبادت کرتے ہو جسے خود تراشتے ہو؟ حالانکہ اللہ ہی نے تمھیں پیدا کیا اور اسے بھی جو تم کرتے ہو۔ اُنھوں نے کہا: اس کے لیے ایک عمارت بناؤ، پھر اسے بھڑکتی آگ میں پھینک دو۔ غرض، اُنھوں نے اس کے ساتھ ایک چال چلنے کا ارادہ کیا تو ہم نے انھی کو سب سے نیچا کر دیا۔"

﴿فَاَقْبَلُوْٓا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ﴾ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قوم کے معبد خانے میں پڑے بتوں کو توڑ پھوڑ دیا۔ اِدھر ابراہیم علیہ السلام نے یہ کیا، اُدھر قوم عید منا کر واپس پلٹی اور اپنے معبودوں کے سامنے برکت کے لیے رکھے ہوئے پھلوں کو کھانے کے لیے معبد خانے میں داخل ہوئی، وہ حیران و پریشان ہو گئے کہ یہ کیا ماجرا ہے! لگے باتیں کرنے کہ یہ کس "ظالم" کی کارستانی ہے؟ اُنھوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے سن رکھا تھا کہ وہ ان کی مذمت کرتے ہیں بلکہ یہ دھمکی بھی اُنھوں نے دی تھی کہ میں تمھارے ان بتوں کے بارے میں کوئی ترکیب بناؤں گا، اس لیے اُنھوں نے سمجھا، ہو نہ ہو یہ کارروائی انھی کی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ وہ ان کی طرف تیز تیز قدموں سے چل نکلے۔

﴿يَزِفُّوْنَ﴾ یہ "زفف" سے ہے جس کے معنیٰ ہیں: تیز چلنا۔ امام حمزہ کی قراءت میں یہ ﴿يُزِفُّوْنَ﴾ ("یاء" کے ضمہ کے ساتھ) ہے۔ یوں اس کے معنیٰ ہیں کہ وہ اپنے ساتھیوں کو تیز روی پر برانگیختہ کرتے تھے اور کہتے تھے کہ چلو نکلو، اس سے جا کر پوچھتے ہیں کہ یہ کارستانی تمھاری ہے؟

سورۃ الانبیاء میں اس کی تفصیل ہے، چنانچہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس گئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حکمت عملی یہ اپنائی کہ چھوٹے چھوٹے تمام بتوں کو تو پاش پاش کر دیا مگر بڑے بت کو اپنی حالت ہی میں رہنے دیا۔ اُنھوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پوچھ گچھ شروع کی کہ اے ابراہیم! ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ ظلم تم نے ڈھایا ہے؟ اُنھوں نے بڑی بے نیازی سے ازراہ مذاق بڑے بت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: "یہ سب کچھ اس نے کیا ہے۔ مجھ سے کیوں پوچھتے ہو، اُسی سے پوچھ لو جو بڑا ہے۔" قوم والے کہنے لگے: آپ کو معلوم ہے کہ یہ بولتے نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انھیں جھنجوڑتے ہوئے فرمایا: افسوس ہے تم پر! تمھیں کوئی عقل نہیں کہ تم نے انھیں اپنا معبود بنا رکھا ہے جو اپنا دفاع بھی نہیں کر سکتے! نہ تمھیں نفع پہنچا سکتے ہیں، نہ تمھارا کوئی نقصان کر سکتے ہیں۔ اس بات کا کوئی جواب تو ان کے پاس نہ تھا "حمیت جاہلیہ" ان پر غالب آئی تو اُنھوں نے کہا: اپنے معبودوں کی حمایت میں اُٹھو اور ابراہیم کو جلا دو:

﴿قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ﴾ [الأنبياء: ٦٨]

اگر کچھ کرنا ہے تو یہ کام کرو، یہی اس مسئلے کا حل ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ سازش ناکام بنا دی۔

یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کو طعن و ملامت کے حوالے سے فرمایا گیا ہے:

﴿اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ﴾
''کیا تم اس کی عبادت کرتے ہو جسے تم خود تراشتے ہو؟''
﴿تَنْحِتُوْنَ﴾ ''نَحْتٌ'' سے ہے جس کے معنی لکڑی، پتھر یا اس قسم کی سخت چیزوں کو تراشنے کے ہیں۔ قوم ثمود کے بارے میں فرمایا گیا ہے:
﴿وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا﴾[الشعراء: ١٤٩]
''اور تم پہاڑوں سے تراش کر گھر بناتے ہو۔''
گویا جن کو تم نے خود گھڑا، بنایا اور سنوارا ہے ان کو اپنا معبود بناتے ہو! تمھارے بنانے سنوارنے سے پہلے یہ پتھر یا لکڑی تھے، تمھارے عمل اور کاری گری سے یہ معبود بن گئے! بلکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے علاوہ سب معبود، مشرکین کے معبود بنانے سے بنے ہیں۔ ورنہ وہ تو سب اللہ کی مخلوق ہیں:
﴿وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ ''حالانکہ تمھارا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے اور جن اشیاء کو تم (اپنا معبود) بناتے ہو اُن اشیاء کا خالق بھی اللہ ہی ہے۔'' بعض نے کہا ہے: ''ما'' استفہامیہ تحقیر کے معنی میں ہے، یعنی تمھارا خالق تو اللہ ہے، تم کیا کرتے پھرتے ہو! اور بعض نے کہا ہے کہ ''ما'' مصدریہ ہے کہ اللہ ہی تمھارا خالق ہے اور جو تم کرتے ہو اس کا خالق بھی اللہ ہی ہے۔ علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ ''یہ مذہب اہل سنت کا ہے کہ انسان اور اس کے افعال کا خالق اللہ ہی ہے۔'' مگر حافظ ابن قیم نے فرمایا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ یہاں ''ما'' موصولہ ہے۔ علامہ آلوسی نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے کہ اس کے معنیٰ ہیں: ''خلقكم وخلق الذي تعملونه'' (تمھیں اور جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ نے پیدا کیا ہے) اس کو مصدری معنیٰ میں لینے کا بھی گو یہی مفہوم ہے مگر زیادہ مناسب یہ ہے کہ یہاں ''ما'' کو موصولہ مانا جائے۔
معتزلہ نے اس آیت کا وہی مفہوم مراد لیا ہے جو پہلے بیان ہوا ہے کہ ''ما'' سے مراد وہ پتھر ہیں جن کو بنا سنوار کر مشرکین اپنا معبود بناتے تھے، یعنی تمھارا اور ان پتھروں کا بھی خالق اللہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ نظم کلام کا یہی تقاضا ہے۔ اور اصل کلام یوں ہے:
"خلقكم والأصنام التي تعملون."
وہ دراصل یہ کہتے ہیں کہ انسان اپنے افعال کا خود خالق ہے۔ مگر یہ درست نہیں۔ کیوں کہ اصل بحث تو یہ ہے کہ جن کی تم عبادت کرتے ہو اُنھوں نے کوئی چیز پیدا نہیں کی، سب کچھ اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے، وہی سب کا خالق ہے، اس لیے عبادت کا حق دار بھی وہی ہے، مخلوق عبادت کی حق دار نہیں۔ قرآن پاک میں یہ استدلال متعدد بار مختلف پیرایہ ہائے بیان میں ہوا ہے:
﴿وَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّ هُمْ يُخْلَقُوْنَ٥﴾[النحل: ٢٠]
''اور وہ لوگ جنھیں وہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں، وہ کچھ بھی پیدا نہیں کرتے اور وہ خود پیدا کیے جاتے ہیں۔''
ایک جگہ فرمایا:
﴿هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ٥﴾[لقمان: ١١]
''یہ ہے اللہ کی مخلوق، تو تم مجھے دکھاؤ کہ ان لوگوں نے جو اُس کے سوا ہیں، کیا پیدا کیا ہے؟''
اسی طرح فرمایا:
﴿اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ٥﴾ [النحل: ١٧]
''تو کیا جو پیدا کرتا ہے اس کی طرح ہے جو پیدا نہیں کرتا؟ پھر کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے۔''
یہاں بھی یہی بات ہے کہ جن کو تم خود تراشتے ہو، پھر عبادت بھی انھی کی کرتے ہو، حالانکہ اللہ ہی نے تمھیں پیدا کیا ہے اور اسے بھی جو کچھ تم کرتے ہو۔ انسان محض فاعل اور کاسِب ہے، فعل کی قدرت وطاقت من جانب اللہ ہے۔ اس لیے دراصل انسانی افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ یہی اہل سنت کا موقف ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے

بہ سند صحیح مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إن اللّٰه يصنع كل صانع و صنعته .))

(خلق أفعال العباد، رقم: ١١٧)

''بے شک ہر صانع اور اس کی صنعت کو بنانے والا اللہ ہے۔''

یہ روایت مستدرک حاکم (۳۲،۳۱/۱)، الأسماء و الصفات للبیھقي اور السنة لابن أبي عاصم وغیرہ میں ((إن الله خالق كل صانع و صنعته)) کے الفاظ سے بھی مروی ہے۔ یہ حدیث سن کر بعض نے یہی آیت تلاوت کی: ﴿وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ یعنی جس طرح تم مخلوق ہو، تمھارا عمل بھی مخلوق ہے۔ کیوں کہ فعل پر قدرت وقوت سب من جانب اللہ ہے۔ ''لا حول ولا قوة إلا بالله'' کا یہی تقاضا ہے۔ انسان اُٹھتا ہے، بیٹھتا ہے، کروٹ لیتا ہے، پہلو بدلتا ہے، آنکھ جھپکتا ہے، قدم اُٹھاتا ہے ہاتھ بند کرتا اور کھولتا ہے، حتیٰ کہ کوئی حرکت کرتا ہے تو یہ سب اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قوت کا نتیجہ ہے۔ اس لیے انسان محض فاعل و کاسِب ہے اور اس کا ہر عمل مخلوق ہے۔ اس لیے اللہ تبارک وتعالیٰ لکڑی، پتھر، لوہا، تانبا وغیرہ کا ہی خالق نہیں بلکہ اللہ کی دی ہوئی قوت سے انسان جو اِن اشیاء کی مختلف شکلیں بناتا ہے، یہ عمل ومعمولات بھی مخلوق ہیں۔ اللہ تعالیٰ خالق ہے اور وہ اپنی مخلوق کی تمام جزیات سے واقف ہے۔ جب کہ انسان تو اپنے افعال کی تمام تفصیل سے واقف نہیں ہوتا ہے حتیٰ کہ اسے اپنے چلنے میں اپنے اقدام اور ان کی رفتار سے آگاہی نہیں ہوتی کہ کتنے قدم اُٹھے، کتنے تیز اور کتنے آہستہ تھے۔ سارا دن کتنی بار آنکھیں جھپکائیں اور کتنی بار مٹھی بند کی اور کھولی۔ اس کی لاعلمی کا یہ حال ہے جب کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو اس کی ایک ایک حرکت کا علم ہے:

﴿وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ﴾ [الأنعام: ٥٩]

''اور اسی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں، انھیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور وہ جانتا ہے جو کچھ خشکی اور سمندر میں ہے اور کوئی پتّا نہیں گرتا مگر وہ اسے جانتا ہے اور زمین کے اندھیروں میں کوئی دانہ نہیں اور نہ کوئی تر ہے اور نہ خشک مگر وہ ایک واضح کتاب میں ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے انسان کو کسب کی طاقت اور اختیار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں اور کتابوں کے ذریعے ہدایت کی راہ بتلائی ہے۔ اب یہ انسان کی ذمہ داری ہے کہ وہ راہِ ہدایت اختیار کرتا ہے یا گمراہی کے راستے کو، وہ شکر گزار بنتا ہے یا ناشکرا:

﴿اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا﴾ [الدھر: ٣]

''بلاشبہ ہم نے اسے راستہ دکھایا، خواہ وہ شکر کرنے والا بنے اور خواہ ناشکرا۔''

وہ راستہ اپنے لیے اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس پر چلنے کی قوت وطاقت دے دیتا ہے تاکہ اسے کوئی حسرت نہ رہے۔ یوں اس کا اس پر عمل دراصل اللہ کا پیدا کیا ہوا ہے۔



تعلیم وتربیت

قسط نمبر ①

نفسانی خواہشات سے نجات کے ذرائع

افادات: امام ابن القیم رحمہ اللہ ترجمہ وترتیب: عبدالہادی عبدالخالق مدنی

اپنی طبیعت اور مزاج کے موافق کسی چیز کی طرف میلان کا نام خواہش ہے۔ انسانیت کے بقا کے پیش نظر انسان کے اندر یہ میلان اور خواہش کی تخلیق کی گئی ہے۔ کیوں کہ اگر انسان کے اندر کھانے پینے اور نکاح کرنے کا میلان نہ ہوتو وہ کھانے پینے اور نکاح سے رک جانے کی وجہ سے ہلاک ہوجائے اوراس کی نسل بھی ختم ہوجائے۔

خواہش انسان کواپنا مقصد ومراد حاصل کرنے پرآمادہ کرتی ہے، جیسے غصہ انسان سے اذیت رساں چیزوں کودُور کرتا ہے۔ لہٰذا خواہش نہ ہی مطلقاً قابل مذمت ہے اور نہ ہی مطلقاً قابل تعریف۔ جیسے غضب ہے کہ نہ وہ مطلقاً مذموم ہے اور نہ ہی مطلقاً محمود۔ بلکہ خواہش اور غضب، دونوں کی مذمت قدرِ تفصیل طلب ہے۔ وقت، حالات اور مواقع کے لحاظ سے کبھی یہ قابلِ تعریف ہوتے ہیں اور کبھی قابل نفرت۔

خواہش کی مذمت کیوں؟

چونکہ بیشتر خواہشات کے پیچھے چلنے والے، شہوات کی اتباع کرنے والے اور غضب پرست لوگ نفع بخش حد پر نہیں رکتے، اس لیے عمومی غلبۂ ضرر کو دیکھتے ہوئے خواہش، شہوت اور غضب کی مذمت مطلقاً کردی جاتی ہے کیوں کہ بہت کم ایسے لوگ ہیں جوان قوتوں میں عدل کر سکتے ہیں۔ جیسا کہ مزاجوں کا معاملہ ہے کہ ہر طرح سے معتدل مزاج انسان کمیاب ہوتے ہیں اور عموماً انسان پر کسی نہ کسی کیفیت کا غلبہ ضرور ہوتا ہے۔ لہٰذا ایک ناصح کو شہوت وغضب کی قوتوں کواعتدال پر لانے کی پوری کوشش کرنی چاہیے۔

چونکہ خواہش میں اعتدال افراد عالم کی اکثریت کے لیے نہایت ہی دشوار ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جب جب خواہش کا ذکر کیا تواس کی مذمت فرمائی اور حدیث نبوی میں بھی اس کی مذمت ہی آئی ہے، البتہ جب کوئی قید اور تخصیص کے ساتھ خواہش ذکر ہوتو معاملہ مختلف ہوجاتا ہے، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تم میں سے اس وقت تک کوئی مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی خواہشات میری لائی ہوئی شریعت کے تابع نہ ہوجائیں۔'' (شرح السنۃ)

یہ مقولہ مشہور ہے کہ خواہش غیر محفوظ جائے پناہ ہے۔

امام شعبی فرماتے ہیں کہ خواہش، خواہش پرست کو پستی میں گرادیتی ہے، انجام کے فکر کے بغیر وقتی لذت کی طرف بلاتی ہے اور فوری طور پر شہوت پوری کرنے کے لیے آمادہ کرتی ہے، خواہ اس کی وجہ سے دنیا وآخرت میں عظیم آلام ومصائب کا سامنا کرنا پڑے۔

واضح رہے کہ آخرت سے پہلے دنیا میں بھی ہر عمل کا ایک انجام ہوتا ہے لیکن خواہش انسان کو عاقبت نااندیش بنا دیتی ہے۔ جب کہ عقل اور دین انسان کو ہر ایسی لذت وشہوت سے روکتے ہیں جس کا انجام ندامت وشرمندگی اور درد وألم ہوتا ہے۔ نفس جب ان لذتوں اور شہوتوں کی طرف بڑھتا ہے تو دین وعقل میں سے ہر ایک اس سے مخاطب ہوکر کہتے ہیں کہ ایسا نہ کر۔ لیکن انسان اطاعت اسی کی کرتا ہے جس کا غلبہ مزاج پر ہوتا ہے۔

آپ دیکھتے ہیں کہ ایک بچہ اپنی خواہش کو ترجیح دیتا ہے، خواہ اس کے نتیجے میں بربادی ہاتھ آئے کیوں کہ وہ عقل کا کچا ہوتا ہے۔ ایک بے دین آدمی اپنی خواہش کو ترجیح دیتا ہے، خواہ اس کا نتیجہ آخرت کی تباہی کی صورت میں سامنے آنے والا ہو۔ کیوں کہ وہ ناقص الدین ہوتا ہے۔

خواہشات آزمائش ہیں:

چونکہ انسان کا امتحان خواہشات کے ذریعے رکھا گیا ہے اور وہ ہر

وقت کسی نہ کسی حادثے سے دوچار ہوتا رہتا ہے، اس لیے اس کے وجود میں دو حاکم بنا دیے گئے: ایک عقل اور دوسرا دین۔ پھر انسان کو حکم دیا گیا کہ خواہشات کے حوادث کو ہمیشہ ان دونوں حاکموں کے پاس لے جائے اور ان کے فیصلوں پر سرِ تسلیم خم کرے۔ انسان کو چاہیے کہ وہ ایسی خواہشات کو بھی دبانے کی عادت ڈالے جن کا انجام کچھ زیادہ برا نہ ہو، تاکہ اس میں اذیت ناک انجام والی خواہشات کے چھوڑ دینے کی قوت پیدا ہو سکے۔

خواہش کی غلامی سے نجات کیسے؟

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس شخص کی نجات کی کیا صورت ہے جو خواہشات کا غلام بن چکا ہو؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ کی توفیق اور مدد سے آئندہ سطور میں ذکر کیے گئے چند اُمور کے اپنانے سے اس کی نجات ممکن ہے:

۱۔ آزادانہ عزیمت:

ایسی آزادانہ عزیمت جس میں اپنے نفس کے موافق و مخالف غیرت موجود ہو۔

۲۔ صبر کا تلخ گھونٹ:

صبر کا تلخ گھونٹ جس کی تلخی گوارہ کرنے پر اس گھڑی اپنے نفس کو آمادہ کر سکے۔

۳۔ نفسانی قوت:

وہ نفسانی قوت جو اس تلخ گھونٹ کے پینے پر حوصلہ افزائی کرے۔ درحقیقت شجاعت ایک گھڑی صبر ہی کا نام ہے۔ اور وہ زندگی کتنی پر کیف زندگی ہے جسے بندے نے اپنے صبر سے پایا ہو۔

۴۔ عاقبت اندیشی:

حسن عاقبت اور خوش انجامی کو پیش نظر رکھنا اور اس کو تلخی کا علاج سمجھنا۔

۵۔ لذت واَلم کا موازانہ:

اس بات کو مدنظر رکھنا کہ خواہشات کی لذت سے وہ تکلیف اور سزا کہیں زیادہ ہے جو اس کے نتیجے میں آتی ہے۔

۶۔ اپنے مقام و مرتبے کا خیال:

اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور اس کے بندوں کے دلوں میں موجود اپنے مقام و مرتبے کو بچانے کی کوشش کرنا کیوں کہ یہ چیز خواہشات کی لذت سے بہت بہتر اور زیادہ سودمند ہے۔

۷۔ پاک دامنی کی مٹھاس کو ترجیح:

عفت و پاک دامنی کی لذت و مٹھاس کو گناہ و معصیت کی لذت پر ترجیح دینا۔

۸۔ شیطان کی عداوت:

اس بات پر خوش ہونا کہ اپنے دشمن (شیطان) پر غلبہ حاصل کر لیا اور اسے غیض و غضب اور فکر و غم کے ساتھ ناکام و نامراد واپس کر دیا کہ اُس کی اُمید و آرزو پوری نہ ہو سکی۔

معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندے سے متعلق یہ بات بہت پسند ہے کہ وہ اپنے دشمن کی ناک مٹی میں ملائے اور اسے غصہ دلائے، جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

❁.....﴿وَلَا يَطَـُٔونَ مَوۡطِئٗا يَغِيظُ ٱلۡكُفَّارَ وَلَا يَنَالُونَ مِنۡ عَدُوّٖ نَّيۡلًا إِلَّا كُتِبَ لَهُم بِهِۦ عَمَلٞ صَٰلِحٌ﴾[التوبة: ۱۲۰]

''اور جو کسی ایسی جگہ چلے جو کفار کے لیے موجبِ غیض ہو اور دشمنوں کی جو کچھ خبر لی، ان سب پر ان کے نام ایک ایک نیک کام لکھا گیا۔''

❁.....﴿لِيَغِيظَ بِهِمُ ٱلۡكُفَّارَ﴾[الفتح: ۲۹]

''تاکہ ان کی وجہ سے کافروں کو غصہ دلائے۔''

❁.....﴿وَمَن يُهَاجِرۡ فِي سَبِيلِ ٱللَّهِ يَجِدۡ فِي ٱلۡأَرۡضِ مُرَٰغَمٗا كَثِيرٗا وَسَعَةٗ﴾[النساء: ۱۰۰]

''جو کوئی اللہ کی راہ میں وطن کو چھوڑے گا وہ زمین میں بہت سی قیام کی جگہیں بھی پائے گا اور کشادگی بھی۔''

قیام کی جگہوں سے مراد وہ جگہیں ہیں جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کی ناک مٹی میں ملا سکے۔

سچی محبت کی علامت یہ ہے کہ محبوب کے دشمنوں کو مبتلائے غیض کیا جائے اوران کی ناک خاک آلود کی جائے۔

۹۔ مقصدِ تخلیق پر غور:

اس بات پر غور کرنا کہ خواہشات کے پیچھے چلنے کے لیے اس کی تخلیق نہیں ہوئی بلکہ ایک عظیم کام کے لیے اسے وجود بخشا گیا ہے جس کا پانا خواہشات سے دُور رہے بغیر ناممکن ہے۔

۱۰۔ تمیز نفع وضرر:

اپنے نفس کو ایسی چیزوں کا خوگر نہ بنائے جس کی بنا پر ایک بے عقل چوپایہ اس سے بہتر قرار پائے کیوں کہ طبعی طور پر حیوان اپنے نفع وضرر کی تمیز کر لیتا ہے اور نقصان پر فائدے کو ترجیح دیتا ہے۔ انسان کو اسی مقصد کی خاطر عقل سے نوازا گیا ہے۔ اگر وہ نفع وضرر میں تمیز نہ کر سکے یا تمیز ومعرفت کے باوجود ضرر کو ترجیح دے تو ظاہر ہے کہ ایک بے خرد چوپائے کی حالت اس سے بہتر قرار پائے گی۔

۱۱۔ برے انجام پر غور:

اپنے دل میں خواہشات کے انجام پر غور کرے اور دیکھے کہ گناہوں اور نافرمانیوں کی بنا پر کتنی فضیلتوں سے وہ محروم ہوا اور کتنی ذلتوں سے اسے ہم کنار ہونا پڑا۔ ایک لقمے نے کتنے لقموں سے محروم کر دیا اور ایک لذت نے کتنی لذتوں سے دور کر دیا۔

کتنی خواہشات اور شہوتیں ایسی ہیں جو انسان کی شان وشوکت کو مٹی میں ملا دیتی ہیں، اس کا سر جھکا دیتی اور اس کی نیک نامی کو بدنامی سے بدل دیتی ہیں۔ وہ اس کی رسوائی کا سامان فراہم کرتی اور اس کے وجود کو ایسی ذلت وعار سے لت پت کر دیتی ہیں جسے پانی سے دھو کر صاف نہیں کیا جا سکتا۔ مگر کیا کیا جائے کہ خواہش پرست کی آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں۔

۱۲۔ کیا کھویا کیا پایا؟

جس مقصد کی تکمیل کے لیے وہ خواہش کے پیچھے چلا ہے، اس کو پورا کرنے کے بعد اپنی حالت کا جائزہ لے اور غور کرے کہ اس نے کیا کھویا اور کیا پایا ہے؟

۱۳۔ دوسروں کو خود کی جگہ پر رکھ کر سوچے:

دوسروں کے بارے میں اس بات کا کما حقہ تصور کرے، پھر اپنے آپ کو اس مقام پر لے جائے اور دیکھے: کیا دونوں معاملے میں اس کی عقل کا فیصلہ ایک ہی ہے؟

۱۴۔ عقل ودین کا فیصلہ:

اپنے نفس کے مطالبے پر غور کرے، اپنی عقل اور اپنے دین سے اس کے متعلق دریافت کرے، یہ دونوں اسے بتائیں گے کہ یہ کوئی اہم بات نہیں ہے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''جب تم میں سے کسی شخص کو کوئی عورت اچھی لگے تو وہ اس کے حوائج فطری کا خیال کرے۔'' (تو وہ بری لگنے لگے گی)

۱۵۔ خود کو ذلت سے برتر تصور کرے:

خواہش کی غلامی کی ذلت سے اپنے آپ کو بلند تصور کرے۔ جو شخص ایک بار بھی اپنی خواہش کے پیچھے چلتا ہے لازمی طور پر اپنی نظروں سے گر جاتا ہے۔ بندگانِ خواہش کی اکڑفوں اور کبر وغرور سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے کیوں کہ وہ اندرونی طور پر کافی ذلیل اور پست ہوتے ہیں لیکن عجب انداز سے ذلت وغرور (احساس کمتری وبرتری) دونوں ان میں یک جا ہوتا ہے۔

۱۶۔ خیر وشر کا موازنہ:

دین وآبرو اور مال وجاہ کی سلامتی ایک طرف اور مطلوبہ لذت کا حصول ایک طرف، دونوں میں موازنہ کرے۔ ان دونوں کے درمیان قطعی کوئی نسبت نہیں۔ اس سے بڑا نادان کون ہوگا جو ایک کے بدلے میں دوسرے کو فروخت کرے!

۱۷۔ بلند ہمتی:

اپنے دشمن کے زیر اقتدار اور اس کے قابو میں رہنے سے اپنے آپ کو بلند تصور کرے کیوں کہ شیطان جب بندے میں ہمت وعزیمت کی کمزوری اور خواہشات کی طرف جھکاؤ اور میلان دیکھتا ہے

تو اس کو زیر کرنے کا لالچ کرتا ہے اور موقع پاتے ہی اسے چت کر دیتا اور خواہشات کی لگام پہنا کر جہاں چاہتا ہے لے جاتا ہے۔

لیکن شیطان جب بندے میں قوت وعزیمت، شرف نفس اور علوِ ہمت دیکھتا ہے تو اس کی اسیری کا حریص نہیں ہوتا، البتہ چوری، چپکے اور دھوکے سے اسے ضرور نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا ہے۔

۱۸۔خواہش کے نقصانات:

یہ بات ذہن نشین رہے کہ خواہش جس چیز میں مل جاتی ہے اسے بگاڑ کے رکھ دیتی ہے۔

اگر علم میں خواہش نفس کی ملاوٹ ہو جائے تو بدعت وضلالت جنم لیتی ہے اور ایسا عالم خواہش پرستوں کی صف میں شامل ہو جاتا ہے۔

اگر زہد میں اس کی آمیزش ہو جائے تو ریاکاری اور سنت رسول سے روگردانی پیدا ہو جاتی ہے۔

اگر فیصلہ کرنے میں اس کی ملاوٹ ہو جائے تو حق تلفی پر اکساتی ہے اور انسان کو ظالم بنا دیتی ہے۔

اگر تقسیم میں اس کی ملاوٹ ہو جائے تو عادلانہ کے بجائے اسے ظالمانہ بنا دیتی ہے۔

اگر مناصب کی تولیت ومعزولی میں اس کی ملاوٹ ہو جائے تو انسان اللہ تعالیٰ اور مسلمانوں کے معاملات میں خیانت میں مبتلا ہو جاتا ہے، پھر وہ اپنی خواہش سے اہلیت وصلاحیت کو دیکھے بغیر جسے چاہتا ہے عہدہ ومنصب سے نوازتا ہے اور جسے چاہتا ہے اس سے معزول کرتا ہے۔

اگر عبادت میں خواہش کی ملاوٹ ہو جائے تو اطاعت اور تقرب کا ذریعہ باقی نہیں رہ جاتا۔

غرض کہ جس چیز میں بھی خواہش نفس کی ملاوٹ ہو جاتی ہے اسے بگاڑ کر رکھ دیتی ہے۔

۱۹۔شیطان کا چور دروازہ:

یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ نفسانی خواہشات ہی کے چور دروازے سے شیطان انسان پر حملہ آور ہوتا ہے۔ انسان کے دل ودماغ، فکر ونظر اور اعمال وکردار میں فساد اور بگاڑ پیدا کرنے کے لیے شیطان اسی دروازے کی تلاش میں ہوتا ہے، پھر جب خواہشات کا دروازہ پا جاتا ہے تو اس کے ذریعے داخل ہو کر تمام اعضاء میں زہر کی طرح پھیل جاتا ہے۔

۲۰۔شریعت کی خلاف ورزی:

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے خواہشات کو اپنے رسول پر نازل کردہ شریعت کے منافی بنایا ہے اور خواہشات کی اتباع کو رسول کی اتباع کے مقابل قرار دیا ہے، نیز لوگوں کی دو قسمیں بتائی ہیں: ایک وہ جو وحی کا اتباع کرتے ہیں، دوسرے وہ جو خواہشات کے پیچھے چلتے ہیں۔ قرآن مجید میں اس کا ذکر بہ کثرت ہوا ہے۔ فرمان باری ہے:

﴿فَإِنْ لَّمْ يَسْتَجِيبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ أَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ أَهْوَآءَ هُمْ﴾

[قصص: ۵۰]

’’پھر اگر یہ آپ کی بات نہ مانیں تو آپ یقین کر لیں کہ یہ صرف اپنی خواہش کی پیروی کر رہے ہیں۔‘‘

(باقی آئندہ)

نقد و نظر قسط نمبر ①

عورت کو حق طلاق تفویض کرنا، شریعت میں تبدیلی ہے!

مولانا حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ

پاکستان میں حکومت کے مجوزہ نکاح فارم کی ایک شق میں یہ درج ہوتا ہے کہ خاوند نے بیوی کو طلاق کا حق تفویض کیا ہے یا نہیں؟ اکثر لوگ تو اس شق کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور اثبات یا نفی (ہاں یا نہیں) میں کچھ نہیں لکھتے۔ لیکن بعض لوگ اس پر اصرار کرتے ہیں کہ نکاح کے موقع پر تفویض طلاق کے اس حق کو تسلیم کیا جائے اور وہ اس شرط کو لکھواتے، یعنی منواتے ہیں کہ عورت کو طلاق کا حق تفویض کر دیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عورت جب چاہے اپنے خاوند کو طلاق دے سکتی ہے۔ اور اس طرح کے واقعات بھی اب پیش آنے لگے ہیں کہ ایسی عورتیں جن کو حق طلاق تفویض کیا گیا، اُنھوں نے اپنے خاوندوں کو طلاقیں دے دیں۔

علمائے احناف اور دیگر فقہاء اس تفویض طلاق کو صحیح سمجھتے ہیں اور اس کی وجہ وہ فقہی جمود ہے جس میں وہ مبتلا ہیں، اس لیے عدمِ دلیل کے باوجود وہ اس بنا پر اس کے قائل ہیں کہ ان کے فقہاء نے اس کو تسلیم کیا ہے۔ بنابریں وہ عورت کے طلاق دینے کی وجہ سے میاں بیوی میں جدائی کو بھی ضروری قرار دیتے ہیں۔ لیکن بعض علمائے اہل حدیث بھی اس کے جواز کا فتویٰ دے دیتے ہیں۔ غالباً اُنھوں نے مسئلے کا گہرائی سے جائزہ نہیں لیا یا عورتوں کے ''حقوق'' کے شور میں اس کی شاید ضرورت ہی محسوس نہیں کی، اس لیے وہ بھی جواز کے قائل ہو گئے!

راقم کے پاس بھی یہ استفسار آیا اور اس میں بعض علمائے اہل حدیث کی طرف سے اس کے اثبات کا حوالہ بھی دیا گیا۔ اس بنا پر ضرورت محسوس ہوئی کہ مسئلے کی نوعیت کو شرعی دلائل کی روشنی میں واضح اور منقح کیا جائے تا کہ ایک طرف مسلکِ تفویض کے حامل علمائے احناف کے دلائل کی بے ثباتی واضح ہو جائے اور جو علماء محض بعض شبہات کی وجہ سے اس کے جواز کے قائل ہیں، وہ بھی اپنے موقف پر نظر ثانی کر کے صحیح دلائل پر مبنی موقف کو اختیار کر سکیں۔

بہر حال ہمارا موقف یہ ہے کہ عورت کو طلاق کا حق تفویض نہیں کیا جا سکتا اور اگر کسی نے اس کو یہ حق دے دیا اور عورت نے اسے استعمال کرتے ہوئے خاوند کو طلاق دے دی تو یہ طلاق نہیں ہوگی۔ طلاق کا حق صرف مرد کو حاصل ہے، یہ حق اللہ نے صرف اُسے ہی عطا کیا ہے، اسے پوری اُمت مل کر بھی عورت کی طرف منتقل کرنے کی مجاز نہیں ہے۔

اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

اسلام میں طلاق کا حق صرف مرد کو دیا گیا ہے، عورت کو نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت مرد کے مقابلے میں زود رنج، زود مشتعل اور جلد بازی میں جذباتی فیصلہ کرنے والی ہے، نیز عموماً عقل اور دُور اندیشی میں بھی کمزور ہوتی ہے۔ عورت کو بھی حق طلاق دیے جانے کی صورت میں یہ اہم رشتہ، جو خاندان کے استحکام و بقا اور اس کی حفاظت وصیانت کے لیے بڑا ضروری ہے، تارِ عنکبوت سے زیادہ پائیدار ثابت نہ ہوتا۔ علمائے نفسیات وطبعیات بھی اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں۔ اس کی تفصیل راقم کی کتاب ''خواتین کے امتیازی مسائل'' (مطبوعہ دارالسلام) میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

اگر عورت کو بھی طلاق کا حق مل جاتا تو وہ اپنا یہ حق نہایت جلد بازی یا جذبات میں آکر استعمال کر لیتی اور یوں اپنے پیروں پر آپ ہی کلہاڑا مار لیتی۔ اس سے معاشرتی زندگی میں جو بگاڑ اور فساد پیدا ہوتا، اس کا تصور ہی نہایت روح فرسا ہے۔ اس کا اندازہ آپ مغرب اور یورپ کی اُن معاشرتی رپورٹوں سے لگا سکتے ہیں جو وہاں عورتوں کو حق

طلاق مل جانے کے بعد مرتب اور شائع ہوئی ہیں۔ان رپورٹوں کے مطالعے سے اسلامی تعلیمات کی حقانیت اور عورت کی اس کمزوری کا اثبات ہوتا ہے جس کی بنا پر مرد کو تو حق طلاق دیا گیا ہے لیکن عورت کو یہ حق نہیں دیا گیا۔عورت کی جس زودرنجی، سریع الغضبی، ناشکرے پن اور جذباتی ہونے کا ہم ذکر کر رہے ہیں، احادیث سے بھی اس کا اثبات ہوتا ہے۔ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((ورأيت النار فإذا أكثر أهلها النساء يكفرن .)) قيل: أيكفرن بالله؟ قال:((يكفرن العشير ويكفرن الإحسان ، لو أحسنت إلى إحداهن الدهر ثم رأت منك شيئا ، قالت: ما رأيت منك خيرا قط .))

(صحيح بخاري، رقم: ٢٩)

''میں نے جہنم کا مشاہدہ کیا تو اس میں اکثریت عورتوں کی تھی (اس کی وجہ یہ ہے کہ) وہ ناشکری کا ارتکاب کرتی ہیں۔''
پوچھا گیا: کیا وہ اللہ کی ناشکری کرتی ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''(نہیں) وہ خاوند کی ناشکری اور احسان فراموشی کرتی ہیں۔اگر تم عمر بھر ایک عورت کے ساتھ احسان کرتے رہو، پھر وہ تمھاری طرف سے کوئی ایسی چیز دیکھ لے جو اُسے ناگوار ہو تو وہ فوراً کہہ اُٹھے گی کہ میں نے تو تیرے ہاں کبھی بھلائی اور سکھ دیکھا ہی نہیں۔''

جب ایک عورت کی افتادِ طبع اور مزاج ہی ایسا ہے کہ وہ عمر بھر کے احسان کو مرد کی کسی ایک بات پر فراموش کر دیتی ہے تو اسے اگر حق طلاق مل جاتا تو آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کس آسانی کے ساتھ وہ اپنا گھر اُجاڑ لیا کرتی؟

عورت کی اس کمزوری، کم عقلی اور زودرنجی ہی کی وجہ سے مرد کو اس کے مقابلے میں صبر وضبط، تحمل اور قوت برداشت سے کام لیتے ہوئے عورت کے ساتھ نباہ کرنے کی تاکید کی گئی ہے کیوں کہ عورت کی یہ کمزوریاں فطری ہیں۔کسی مرد کے اندر یہ طاقت نہیں کہ وہ قوت کے زور سے اُن کمزوریوں کو دور کر کے عورت کو سیدھا کر دے یا سیدھا رکھ سکے۔نبی ﷺ نے فرمایا:

((استوصوا بالنساء ، فإن المرأة خلقت من ضلع ، وإن أعوج شيء في الضلع أعلاه ، فإن ذهبت تقيمه كسرته ، وإن تركته لم يزل أعوج ، فاستوصوا بالنساء .))

(صحيح بخاري، رقم: ٣٣٣١)

''عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی وصیت مانو،عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے، اور سب سے زیادہ کجی اوپر کی پسلی میں ہوتی ہے، پس اگر تم اُسے سیدھا کرنے لگو گے تو اسے توڑ دو گے اور یوں ہی چھوڑ دو گے تو کجی باقی رہے گی، پس عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی وصیت قبول کرو۔''

شارح بخاری حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

''مطلب اس حدیث کا یہ ہے کہ عورت کے مزاج میں کجی (ٹیڑھا پن) ہے (جو ضد وغیرہ کی شکل میں بالعموم ظاہر ہوتی رہتی ہے) پس اس کمزوری میں اسے معذور سمجھو کیوں کہ یہ پیدائشی ہے، اسے صبر اور حوصلے سے برداشت کرو اور اُن کے ساتھ عفو و درگزر کا معاملہ کرو۔اگر تم اُنھیں سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو اُن سے فائدہ نہیں اُٹھا سکو گے جب کہ اُن کا وجود انسان کے سکون کے لیے ضروری ہے اور کشمکش حیات میں اُن کا تعاون ناگزیر ہے، اس لیے صبر کے بغیر اُن سے فائدہ اُٹھانا اور نباہ ناممکن ہے۔'' (فتح الباری:۹/۳۱۵)

بہرحال عورت کی یہی وہ فطری کمزوری ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مرد کو حق طلاق دیا ہے لیکن عورت کو نہیں دیا۔عورت کا مفاد ایک مرد سے وابستہ اور اس کی رفیقہ حیات بن کر رہنے ہی میں ہے، نہ کہ گھر اُجاڑنے میں۔اور عورت کے اس مفاد کو عورت کے

مقابلے میں مرد ہی صبر وضبط اور حوصلہ مندی کا مظاہرہ کر کے زیادہ ملحوظ رکھتا ہے اور رکھ سکتا ہے۔

بنابریں اسلام کا یہ قانونِ طلاق بھی دراصل عورت کے مفاد ہی میں ہے، گو عورت آج کل پروپیگنڈے کا شکار ہو کر اس کی حکمت کو سمجھنے سے قاصر ہے۔

مرد کے حق طلاق کے مقابلے میں عورت کے لیے حق خلع:

تاہم اسلام چونکہ دین فطرت اور عدل وانصاف کا علَم بردار ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس دوسرے پہلو کو بھی ملحوظ رکھا ہے کہ کسی وقت عورت کو بھی مرد سے علیحدہ ہونے کی ضرورت پیش آسکتی ہے، جیسے خاوند نامرد ہو، وہ عورت کے جنسی حقوق ادا کرنے پر قادر نہ ہو، یا وہ نان ونفقہ ادا کرنے پر قادر نہ ہو، یا قادر تو ہو لیکن بیوی کو مہیا نہ کرتا ہو، یا بلاوجہ ظلم وستم یا مار پیٹ سے کام لیتا ہو، یا عورت اپنے خاوند کو ناپسند کرتی ہو اور محسوس کرتی ہو کہ وہ اس کے ساتھ نباہ یا اس کے حقوقِ زوجیت ادا نہیں کر سکتی۔

ان صورتوں یا اِن جیسی دیگر صورتوں میں عورت خاوند کو یہ پیشکش کر کے کہ مجھے جو مہر اور ہدیہ وغیرہ تُو نے دیا ہے، وہ میں تجھے واپس کر دیتی ہوں، مجھے طلاق دے دے۔ اگر خاوند اس پر رضامند ہو کر اُسے طلاق دے دے تو ٹھیک ہے۔ اور اگر خاوند ایسا نہیں کرتا تو اسلام نے عورت کو یہ حق دیا ہے کہ وہ عدالت یا پنچایت کے ذریعے اس قسم کی صورتوں میں خاوند سے گلوخلاصی حاصل کر لے، اِس کو خلع کہتے ہیں۔ یہ قرآنِ کریم اور احادیث نبویہ سے ثابت ہے، اس کی تفصیل یہاں ممکن نہیں، راقم کی کتاب ''خواتین کے امتیازی مسائل'' میں اس کے دلائل تفصیل سے مذکور ہیں۔

عورت کے اس حق خلع کی موجودگی میں اس بات کی ضرورت ہی نہیں رہتی کہ نکاح کے موقع پر مرد اپنا حق طلاق عورت کو تفویض کرے کیوں کہ اسلام نے عورت کے لیے بھی قانونِ خلع کی صورت میں مرد سے علیحدگی کا طریقہ بتلا دیا ہے۔ اور عہدِ رسالت میں بعض عورتوں نے اپنا یہ حق استعمال بھی کیا ہے اور رسول ﷺ نے بہ حیثیتِ حاکمِ وقت، خلع کا فیصلہ ناپسندیدہ خاوند سے علیحدگی کی صورت میں فرمایا ہے جس کی تفصیل صحیح احادیث میں موجود ہے۔

علمائے احناف کا فقہی جمود، خلع کا انکار:

لیکن بدقسمتی سے قرآن وحدیث کے مقابلے میں آراء کو زیادہ اہمیت دینے والے علماء وفقہاء، اسلام کے اس قانونِ خلع کو تسلیم نہیں کرتے، اس لیے فقہ حنفی میں مذکورہ صورتوں میں سے کسی بھی صورت میں عورت کے لیے مرد سے گلوخلاصی حاصل کرنے کا جواز نہیں ہے، اس کا اعتراف مولانا تقی عثمانی صاحب (دیوبندی) نے بھی کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو: مولانا اشرف علی تھانوی کی کتاب ''الحلیة الناجزة للحلیة العاجزة'' کے نئے ایڈیشن (ناشر: ادارہ اسلامیات) کا پیش لفظ از مولانا تقی عثمانی)

مولانا اشرف علی تھانوی مرحوم نے ''الحلیة الناجزة للحلیلة العاجزة'' نامی کتاب اسی لیے تحریر فرمائی تھی کہ عورتوں کی مشکلات کا کوئی حل، جو فقہ حنفی میں نہیں ہے، تلاش کیا جائے، چنانچہ اُنھوں نے کچھ فقہی جمود توڑتے ہوئے دوسری فقہوں کے بعض مسائل کو اختیار کر کے بعض حل پیش فرمائے اور دیگر علمائے احناف کی تصدیقات بھی حاصل کیں۔ اس کے باوجود علمائے احناف کا جمود برقرار ہے کہ جب تک خاوند کی رضامندی حاصل نہ ہو، عورت کے لیے علیحدگی کی کوئی صورت نہیں۔

(درسِ ترمذی از مولانا تقی عثمانی: ۳/ ۴۹۷)

حالانکہ عورت کو حق خلع دیا ہی اس لیے گیا ہے کہ خاوند راضی ہو یا راضی نہ ہو، عورت عدالت یا پنچایت کے ذریعے سے علیحدگی اختیار کر سکتی ہے اور عدالت کا فیصلہ طلاق کے قائم مقام ہو جائے گا۔

فقہائے احناف کی شریعت سازی:

شریعت کے دیے ہوئے حق خلع کو تو فقہائے احناف نے تسلیم نہیں کیا جو ایک ناگزیر ضرورت ہے، البتہ اس ضرورت کو پورا کرنے

کے لیے اپنی طرف سے یہ طریقہ تجویز کیا کہ عورت کو حق طلاق تفویض کر دیا جائے۔ یہ حکم الٰہی میں تبدیلی اور شریعت سازی کے مترادف ہے، حالانکہ عورت کو حق طلاق دینے میں جو شدید خطرات ہیں وہ مسلّمہ ہیں اور اُنھی کے پیش نظر اللہ عزوجل نے یہ حق عورت کو نہیں دیا۔ قابل غور امر یہ ہے کہ جو حق اللہ نے نہیں دیا، اللہ کے رسول ﷺ نے نہیں دیا تو وہ اور کون سی اتھارٹی ہوسکتی ہے جو یہ حق عورتوں کو دے دے؟ یقیناً نہ ایسی کوئی اتھارٹی ہے اور نہ ہوسکتی ہے، اس لیے تفویض طلاق کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اگر کوئی عورت انسانوں کے اپنے تفویض کردہ اس حق کو استعمال کرتے ہوئے اپنے خاوند کو طلاق دے دیتی ہے تو اس طرح قطعاً طلاق واقع نہیں ہوگی۔ نکاح ایک ''میثاق غلیظ'' (نہایت مضبوط عہد) ہے جو حکم الٰہی کے تحت طے پاتا ہے، اسے خود ساختہ طریقے سے ختم نہیں کیا جاسکتا۔ یہ عہد اسی وقت ختم ہوگا جب اس کے ختم کرنے کا وہ طریقہ اختیار کیا جائے گا جو خود اللہ تعالیٰ نے بتلایا ہے اور وہ طریقہ عموماً مرد کا طلاق دینا یا عورت کا خلع لینا ہے۔

کون سی شرطیں قابل اعتبار یا نا قابل اعتبار ہیں؟

تفویض طلاق کے جواز میں یہ دلیل دی جاتی ہے کہ نکاح کے موقع پر جو شرطیں طے پائیں، ان کا پورا کرنا ضروری ہے، نبی ﷺ کا فرمان ہے:

((أحق الشروط أن توفوا به ما استحللتم به الفروج.))(صحيح بخاري، رقم: ٢٧٢١)

''جن شرطوں کا پورا کرنا سب سے زیادہ ضروری ہے، وہ شرطیں ہیں جن کے ذریعے تم شرم گاہیں حلال کرو۔''

یہ حدیث اپنی جگہ بالکل صحیح ہے لیکن اس سے مراد وہ شرطیں ہیں جن سے مقاصدِ نکاح کو مزید مؤکد کرنا مقصود ہو، جیسے خود امام بخاری رحمہ اللہ نے اُس کو مہر کی ادائیگی کے ضمن میں بیان کیا ہے۔ اسی طرح کسی مرد سے یہ اندیشہ ہو کہ وہ نان ونفقہ میں کوتاہی کرے گا یا شاید حُسنِ سلوک کے تقاضے پورے نہیں کرے گا، یا رشتے داروں سے میل ملاپ میں ناجائز تنگ کرے گا وغیرہ۔ تو نکاح کے موقع پر اس قسم کی شرطیں طے کرلی جائیں تو اُن کا پورا کرنا مرد کے لیے ضروری ہوگا۔ یہ حدیث اسی قسم کی شرطوں تک محدود رہے گی۔

اس کے برعکس اگر خاوند یہ شرط عائد کرے کہ وہ بیوی کے نان ونفقہ کا ذمہ دار نہیں ہوگا، شادی کے بعد وہ ماں باپ یا بہن بھائیوں سے ملنے کی اجازت نہیں دے گا، یا وہ اس کو پردہ نہیں کرنے دوے گا، وعلیٰ ہذا القیاس اس قسم کی ناجائز شرطیں تو وہ کالعدم ہوں گی۔

یا عورت یہ شرط عائد کرے کہ وہ خاوند کو ہم بستری نہیں کرنے دے گی تاکہ بچے پیدا نہ ہوں، یا خاوند کو دوسری شادی کرنے کی اجازت نہیں ہوگی، یا خاوند اسے مردوں کے ساتھ مخلوط ملازمت سے نہیں روکے گا وغیرہ وغیرہ۔ تو ان شرطوں کا بھی اعتبار نہیں ہوگا کیوں کہ یہ ناجائز شرطیں ہیں یا مقاصدِ نکاح کے منافی ہیں۔ اسی لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے نبی ﷺ کے اس فرمان کو کہ ''عورت اپنی سوتن کی طلاق کا مطالبہ نہ کرے تاکہ وہ اس کا برتن اُلٹائے۔ یعنی سہولیاتِ زندگی سے محروم کر دے جو خاوند کے ہاں اس کو میسر ہیں۔'' (صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۲۷۲۳) کو باب ''ان شرطوں کا بیان جو نکاح میں جائز نہیں'' میں ذکر کیا ہے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ شریعت کے عطا کردہ کسی حق کو ختم کرنے کی شرط عائد کی جائے گی تو اُس کا اعتبار نہیں ہوگا۔ بلکہ اس قسم کی شرطوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے واضح طور پر فرمادیا ہے:

((والمسلمون على شروطهم إلا شرطا حرم حلالا أو أحل حراما.))

(جامع ترمذي، رقم: ١٣٥٢)

''مسلمانوں کے لیے اپنی طے کردہ شرطوں کی پابندی ضروری ہے، سوائے اس شرط کے جو کسی حلال کو حرام یا کسی حرام کو حلال کردے۔'' (ایسی شرطیں کالعدم ہوں گی)

نکاح کے موقع پر تفویض طلاق کی شرط بھی شرطِ باطل ہے جس سے مرد کا وہ حق جو اللہ نے صرف مرد کو دیا ہے، ختم ہو کر عورت کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ مرد کے اس حق شرعی کا عورت کی طرف انتقال حرام کو حلال اور حلال کو حرام قرار دینے ہی کے مترادف ہے جس کا کسی کو حق حاصل نہیں ہے۔ اس شرط سے عورت کو طلاق دینے کا حق قطعاً حاصل نہیں ہوسکتا، اُس کو اس قسم کے حالات سے سابقہ پیش آئے تو وہ شرط کے باوجود طلاق دینے کی مجاز نہیں ہوگی بلکہ طلاق لینے، یعنی خلع کرنے ہی کی پابند ہوگی۔

عہدِ رسالت کا ایک واقعہ اور فیصلہ کن فرمانِ رسول ﷺ:

اس مسئلے میں نبی ﷺ کے زمانے کا ایک واقعہ ہماری راہ نمائی کرتا ہے۔ بریرہ ایک لونڈی تھی اور مُکاتَبَہ تھی، یعنی مالکوں کے ساتھ اس کا معاہدہ ہو چکا تھا کہ اتنی رقم کی ادائیگی کے بعد وہ آزاد ہوگی۔ بریرہ رضی اللہ عنہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: اُمّ المومنین! آپ مجھے خرید کر آزاد کر دیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ٹھیک ہے۔ بریرہ رضی اللہ عنہا نے کہا: لیکن میرے آقا کہتے ہیں کہ ''حق وَلاء'' (ورثاء کی عدم موجودگی میں وراثت وغیرہ کے حق کو ''وَلاء'' کہا جاتا ہے) ان کا ہوگا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: مجھے حق وَلاء کی کوئی حاجت نہیں ہے۔ یہ بات نبی ﷺ نے سن لی یا آپ ﷺ تک پہنچ گئی تو آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

((اشتريها فأعتقيها ودعيهم يشترطوا ماشاؤا .))

''اس کو خرید کر آزاد کر دے اور مالکوں کو چھوڑ، وہ جو چاہیں شرط کرلیں۔''

چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو قیمت ادا کر کے آزاد کر دیا اور اس کے مالکوں نے وَلاء کی شرط کر لی کہ وہ ہمارا حق ہوگا۔ لیکن نبی ﷺ نے فرمایا:

((الولاء لمن أعتق ، وإن اشترطوا مائة شرط .))(صحيح بخاري ، رقم: ٢٥٦٥)

''حق وَلاء آزاد کرنے والے کا ہے، چاہے مالک سو شرطیں لگالیں۔''

ایک اور مقام پر آپ ﷺ کا یہ فرمان بہ ایں الفاظ منقول ہے:

((مابال رجال يشترطون شروطا ليست في كتاب الله؟ ماكان من شرط ليس في كتاب الله فهو باطل وإن كان مائة شرط ، قضاء الله أحق وشرط الله أوثق وإنما الولاء لمن أعتق .))(صحيح بخاري ، رقم: ٢١٦٨)

''لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو اللہ کی کتاب میں نہیں! (یاد رکھو!) جو شرط ایسی ہوگی جو اللہ کی کتاب میں نہیں ہے، وہ باطل ہے اگرچہ سو شرطیں ہوں۔ اللہ کا فیصلہ زیادہ حق دار ہے (کہ اس کو مانا جائے) اور اللہ کی شرط زیادہ مضبوط ہے (کہ اس کی پاس داری کی جائے)۔ وَلاء اسی کا حق ہے جس نے اسے آزاد کیا۔''

اس حدیث میں آپ ﷺ نے واشگاف الفاظ میں اعلان فرما دیا کہ جو شرط بھی کتاب اللہ میں نہیں ہے، یعنی شریعتِ اسلامیہ کی تعلیمات کے خلاف ہے، وہ باطل ہے اور باطل کا مطلب کالعدم ہے، اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

علاوہ ازیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے احکامِ وراثت بیان فرما کر ان کی بابت کہا کہ یہ اللہ کی حدیں ہیں اور اس کے بعد فرمایا:

﴿وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا﴾[النساء: ١٤]

''جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے گا اور اللہ کی حدوں سے تجاوز کرے گا تو اللہ اسے آگ میں داخل کرے گا۔''

اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے مقرر کردہ حصہ ہائے وراثت میں تبدیلی کرنا، اللہ کی حدوں سے تجاوز اور اللہ رسول ﷺ کی نافرمانی

ہے جس کی کسی کو اجازت نہیں۔

اسی طرح اللہ نے طلاق اور خلع کے احکام بیان کر کے فرمایا:

﴿تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَ مَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾[البقرة:۲۲۹]

''یہ اللہ کی حدیں ہیں، سو تم اُن سے تجاوز نہ کرو اور جو اللہ کی حدوں سے تجاوز کرے گا، وہ لوگ ظالم ہیں۔''

اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ طلاق وخلع کے احکام، حدود اللہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان میں تبدیلی کرنا، یعنی عورت کو حق خلع کے بجائے، جو اُسے اللہ نے دیا ہے، طلاق کا حق تفویض کر دینا، حدود اللہ میں تجاوز کرنا ہے جس کا حق کسی کو حاصل نہیں۔ یہ سراسر ظلم ہے جو اللہ کو ناپسند ہے۔ چنانچہ آیت مذکورہ: ﴿تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا﴾ کے تحت مولانا عبدالماجد دریا آبادی مرحوم نے لکھا ہے اور کیا خوب لکھا ہے:

''یہ تاکید ہے اس امر کی کہ احکامِ شرعی میں کسی خفیف جزئیہ کو بھی ناقابل التفات نہ سمجھا جائے اور شریعت جیسے بے انتہا منظّم فن میں ہونا بھی یہی چاہیے تھا۔ مشین جتنی نازک اور اعلیٰ صناعی کا نمونہ ہوگی، اسی قدر اس کا ایک ایک تنہا پرزہ بھی اپنی جگہ پر بے بدل ہوگا۔'' (تفسیر ماجدی: ۱/۹۲، طبع تاج کمپنی)

بنابریں عورت کو طلاق کا حق تفویض کرنا امر باطل ہے۔ اس سے حکم شریعت میں تبدیلی لازم آتی ہے۔ مرد کا جو حق ہے وہ عورت کو مل جاتا ہے اور عورت جو مرد کی محکوم ہے، وہ حاکم (قوّام) بن جاتی ہے اور مرد اپنی قوّامیت کو (جو اللہ نے اسے عطا کی ہے) چھوڑ کر محکومیت کے درجے میں آ جاتا ہے۔ یا بہ الفاظِ دیگر عورت طلاق کی مالک بن کر مرد بن کی جگہ پر آ جاتی ہے اور مرد عورت کی جگہ پر کہ بیوی اگر اسے طلاق دے دے تو وہ سوائے اپنی بے بسی اور بے چارگی پر رونے کے کچھ نہیں کرسکتا۔ ﴿تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى﴾

چند شبہات واشکالات کا ازالہ

پہلا اشکال اور اس کی وضاحت:

بعض علماء آیت تخییر سے تفویض طلاق کا جواز ثابت کرتے ہیں، حالانکہ ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ آیتِ تخییر سے مراد وہ واقعہ ہے جو نبی ﷺ اور اَزواجِ مطہرات کے درمیان پیش آیا کہ جب فتوحات کے نتیجے میں مالِ غنیمت کی وجہ سے مسلمانوں کی معاشی حالت قدرے بہتر ہوئی تو ازواجِ مطہرات نے بھی اپنے نان ونفقہ میں اضافے کا مطالبہ کر دیا جو نبی ﷺ کو پسند نہ آیا۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَ اُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا﴾[الأحزاب:۲۸]

''اے نبی! اپنی بیویوں سے کہہ دیجیے کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت کا ارادہ رکھتی ہو تو آؤ میں تمھیں کچھ سامان دے دوں اور تمھیں اچھے طریقے سے رخصت کر دوں۔''

جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سمیت تمام ازواجِ مطہرات کو اختیار دے دیا کہ تم دنیا چاہتی ہو یا آخرت؟ اگر دنیا کی آسائشیں مطلوب ہیں تو میں تمھیں طلاق اور کچھ متعہ طلاق دے کر آزاد کر دیتا ہوں۔ لیکن سب نے دنیا کے مقابلے میں رسول اللہ ﷺ کے حبالۂ عقد ہی میں رہنے کو پسند کیا۔

یہ ''آیتِ تخییر'' کہلاتی ہے۔ اس سے تفویض طلاق کا اثبات نہیں ہوتا کیوں کہ اس میں تو اُن کے مطالبات کے جواب میں اُنھیں یہ اختیار دیا گیا ہے کہ اگر تمھیں اپنے مطالبات پورے کرانے پر اصرار ہے تو میں زبردستی تمھیں اپنے ساتھ رکھنے پر مجبور نہیں کرتا، میں تمھیں طلاق دے دیتا ہوں، قرآن کے الفاظ واضح ہیں:

﴿فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَ اُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا﴾

''آؤ میں تمھیں متعۂ طلاق اور طلاق دے کر چھوڑ دیتا ہوں۔''

جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اگر وہ نبی ﷺ کے ساتھ رہنے کی بجائے دنیا کی آسائشیں پسند کرتیں تو آپ ﷺ ان کو طلاق دے کر اپنے سے جدا کر دیتے، از خود ان کو طلاق نہ ہوتی۔

اس سے مستقل طور پر عورت کو طلاق کا حق تفویض کرنے کا اثبات ہرگز نہیں ہوتا۔ اس سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ عورت اگر کچھ ایسے مطالبات پیش کرے جس کو خاوند پورا نہ کرسکتا ہو تو وہ بیوی سے یہ کہے کہ میں یہ مطالبات پورے نہیں کر سکتا، اگر تُو انھی حالات کے ساتھ گزارا کر سکتی ہے تو ٹھیک ہے، بہ صورتِ دیگر میں طلاق دے کر اچھے طریقے سے تجھے فارغ کر دیتا ہوں۔ اگر عورت دوسری، یعنی طلاق کی صورت اختیار کرتی ہے تو اسے طلاق نہیں ہو جائے گی بلکہ خاوند اس کی خواہش کو پورا کرتے ہوئے طلاق دے تبھی طلاق، یعنی علیحدگی ہوگی۔

غرض اس صورت کا تفویض طلاق سے کوئی تعلق نہیں ہے، اس لیے اس آیت سے استدلال یکسر غلط اور بے بنیاد ہے۔

دوسرا شبہ:

اسی سے ملتی جلتی ایک دوسری صورت یہ ہے کہ جھگڑے کے موقع پر خاوند عورت کو یہ کہہ دے:

''أمرك بيدك.'' (تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے۔)

اس سے بھی بعض لوگوں نے تفویض طلاق کے جواز پر استدلال کیا ہے۔ حالانکہ یہ طلاق کنائی کی ایک صورت بنتی ہے۔ اور اکثر فقہاء اس کے جواز کے قائل ہیں لیکن یہ تفویض نہیں بلکہ طلاق ہے۔

نیز اوّل تو یہ الفاظ نہ مرفوعاً ثابت ہیں اور نہ موقوفاً، یعنی یہ نہ حدیثِ رسول ہے اور نہ کسی صحابی کا قول۔

(ضعیف سنن ابی داود للالبانی، حدیث نمبر: ۴۷۸)

یہ الفاظ جامع ترمذی، سنن ابی داود اور سنن نسائی میں منقول ہیں۔ ان سب کی سندیں ضعیف ہیں تاہم اسے حسن بصری رحمہ اللہ کا قول قرار دیا گیا ہے۔ (اس کا مطلب کیا ہے؟ اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے)

البتہ بعض صحابہ کے ان الفاظ سے ملتے جلتے الفاظ سے بھی استدلال کیا گیا ہے، مثلاً:

(ا)......المعجم الکبیر للطبرانی (۳۷۹/۹) میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

"إذا قال الرجل لا مرأته: أمرك بيدك أو استفلحي بأمرك أووهبها لأهلها فقبلوها فهي واحدة بائنة." (بہ حوالہ ماہ نامہ ''الحدیث'' حضرو، مئی ۲۰۱۳ء)

''اگر آدمی اپنی بیوی سے کہے: تیرا اختیار تیرے ہاتھ میں ہے، یا تم اپنے معاملے میں کامیاب ہو جاؤ، یا وہ اس (حق) کو اس بیوی کے گھر والوں کے حوالے کر دے، پھر وہ اسے قبول کر لیں تو یہ ایک (طلاق) بائن (نکاح کو ختم کر دینے والی) ہے۔''

اس اثر میں غور کریں، کیا اس کا تعلق زیر بحث مسئلہ تفویض طلاق سے ہے؟ قطعاً نہیں۔ اس میں بھی وہی خیارِ طلاق (طلاقِ کنائی) یا توکیل کی صورت ہے کہ اختلاف اور جھگڑے کی صورت میں خاوند بیوی کو اختیار دے دے کہ اگر تُو میرے پاس رہنے کے لیے تیار نہیں ہے تو تجھے اختیار ہے کہ تُو خود میرے ساتھ رہنے یا نہ رہنے کا فیصلہ کر لے۔ اگر وہ علیحدگی کا فیصلہ کر لیتی ہے تو مذکورہ اثر کی بنیاد پر اسے طلاق ہو جائے گی اور بہ قول عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ یہ ایک طلاق بائن ہوگی یہ خیارِ طلاق سے ملتی جلتی وہی صورت ہے جس کی تفصیل آیتِ تخییر کے ضمن میں گزری ہے یا یہ طلاق بالکنایہ ہے کیوں کہ یہ طلاق کون سی ہوگی؟ یہ خاوند کی نیت پر منحصر ہے، جیسا کہ آگے تفصیل آ رہی ہے۔

دوسری صورت اس میں توکیل کی ہے، یعنی خاوند بیوی کے گھر والوں کو طلاق دینے کا حق دے دے اور وہ طلاق دے دیں تو طلاق بائن ہو جائے گی۔ وکالت کو بھی شریعت نے تسلیم کیا ہے، یعنی خاوند خود طلاق نہ دے بلکہ وکیل کے سپرد یہ کام کر دے تو وہ طلاق خاوند ہی کی طرف سے تسلیم کی جائے گی۔ مذکورہ اثر میں یہی دو صورتیں بیان ہوئی ہیں۔ ایک صورت خیارِ طلاق کی سی ہے بلکہ یہ طلاق بالکنایہ ہے اور

دوسری توکیل طلاق کی۔اس اثر سے زیر بحث تفویض طلاق کا اثبات ہرگز نہیں ہوتا۔

(۲)......دوسرا اثر جس سے استدلال کیا گیا ہے،حسبِ ذیل ہے:

''سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس وفد میں ابو الحلال عتکی رحمہ اللہ آئے تو کہا: ایک آدمی نے اپنی بیوی کو اس کا اختیار دے دیا ہے؟ اُنھوں نے فرمایا: پس اس عورت کا اختیار اس کے پاس ہی ہے۔'' (مصنف ابن ابی شیبۃ: ۵/۵۶)

اس میں بھی وہی خیارِ طلاق بلکہ طلاق بالکنایہ کا اثبات ہے جس سے کسی کو اختلاف نہیں، یعنی لڑائی جھگڑے کی صورت میں عورت کو علیحدگی کا اختیار کنائے کی صورت میں دے دینا۔ اس اثر کا بھی تفویض طلاق کے مسئلے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

(۳)......تیسرا اثر جس سے استدلال کیا گیا ہے،حسبِ ذیل ہے:

''سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جس نے اپنی بیوی کو اس کا اختیار دے دیا تو اُنھوں نے فرمایا: وہ عورت جو فیصلہ کرے گی وہی فیصلہ ہے، پھر اگر وہ دونوں ایک دوسرے کا انکار کریں تو مرد کو قسم دی جائے گی۔'' (مصنف ابن ابی شیبۃ: ۹/۸۵۱)

یہ اثر نقل کرکے فاضل مفتی حفظہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''یہاں پر چونکہ یہ اختیار نکاح نامے پر شوہر کے دستخطوں اور گواہوں کے ساتھ لکھا ہوا ہے، لہٰذا یہاں کسی قسم کے انکار کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' (ماہ نامہ ''الحدیث'' حضرو، مئی ۲۰۱۳ء)

لیکن اس اثر میں بھی پہلے قابل غور بات تو یہ ہے کہ اس میں بھی طلاق بالکنایہ والا مسئلہ ہی بیان ہوا ہے یا تفویض طلاق کا؟ واقعے پر غور فرما لیا جائے، اس میں بھی طلاق کنائی یا خیارِ طلاق ہی کا مسئلہ بیان ہوا ہے جس کا تعلق شادی کے بعد ہونے والے میاں بیوی کے درمیان شدید جھگڑے سے ہے کہ اگر اختلافات کا کوئی حل نہ نکلے تو خاوند اس کا یہی حل پیش کرے کہ تجھے اختیار ہے میرے ساتھ رہنے یا نہ رہنے کا۔اس صورت میں ظاہر بات ہے کہ عورت جو فیصلہ کرے گی وہی نافذ ہوگا۔ علیحدگی پسند کرے گی تو طلاق ہو جائے گی بہ صورتِ دیگر نہیں۔لیکن اس طلاق میں بھی فیصلہ کن بات خاوند کی نیت ہی ہے کہ طلاق رجعی ہے یا بائین؟

اس اثر سے بھی رشتہ ازدواج میں جڑنے سے پہلے ہی نکاح کے موقع پر مرد کا اپنے اس حق طلاق سے دست بردار ہو کر، جو اللہ نے اسے عطا کیا ہے، عورت کو اس کا مالک بنا دینا کس طرح ثابت ہوتا ہے؟ میاں بیوی کے درمیان عدمِ موافقت کی صورت میں ان کے اختلافات دور کرنے کے کئی طریقے ثابت ہیں۔ایک یہ ہے جو قرآن کریم میں بیان ہوا ہے کہ ایک ثالث (حَکَم) بیوی کی طرف سے اور ایک خاوند کی طرف سے مقرر کیا جائے۔ وہ دونوں کے بیانات سن کر فیصلہ کریں اور دونوں کی کوتاہیاں معلوم کرکے ان کو دور کرنے کی تلقین دونوں کو کریں۔اگر یہ ممکن نہ ہو تو وہ بہ طورِ وکیل ان کے درمیان علیحدگی کا فیصلہ کر دیں۔اس کو ''توکیل بالفرقۃ'' کہا جاتا ہے، یہ وکالت کی وہ صورت ہے جو جائز ہے۔

دوسری صورت یہ ہے جو بعض آثارِ صحابہ سے ثابت ہے اور وہ خیارِ طلاق کی صورت ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمائی تھی۔اس کا مطلب یہ تھا کہ اگر ازواجِ مطہرات علیحدگی کو پسند کرتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو طلاق دے کر فارغ کر دیتے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ خاوند علیحدگی کا معاملہ عورت کے سپرد کر دے۔

مذکورہ سارے آثار کا تعلق اسی صورت سے ہے۔اس جملے کی بابت فقہاء کہتے ہیں اور مذکورہ آثارِ صحابہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ اگر عورت علیحدگی اختیار نہیں کرتی اور خاوند ہی کے پاس رہنے کو اختیار کرتی ہے تو طلاق نہیں ہوگی اور اگر وہ علیحدگی کا فیصلہ کرتی ہے تو یہ طلاق شمار ہوگی۔البتہ اس میں اختلاف ہے کہ یہ طلاق ایک ہوگی یا تین طلاقیں۔ایک طلاق ہونے کی صورت میں رجعی ہوگی یا بائنہ؟

بعض آثار سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں خاوند کی نیت کے مطابق فیصلہ ہوگا، اگر اس کی مراد ایک طلاقِ رجعی ہے تو یہ ایک طلاقِ رجعی شمار ہوگی اور خاوند کو عدت کے اندر رجوع کرنے کا حق حاصل ہوگا۔ اس میں خاوند کی نیت کے فیصلہ کن ہونے نے اس کو طلاق بالکنایہ بنا دیا ہے اور یوں یہ خیارِ طلاق سے مختلف صورت ہے کیوں کہ اسے اگر خیارِ طلاق کی وہی صورت قرار دیں جو نبی ﷺ نے ازواجِ مطہرات کے سلسلے میں اختیار فرمائی تھی تو اس سے میں بھی طلاق کا حق مرد ہی کو حاصل تھا اور ''أمرك بیدك'' میں یہ اختیار عورت کو دے دیا گیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود یہ طلاقِ کنائی بنے گی، اس لیے کہ یہ طلاق طلاقِ رجعی ہوگی یا بائنہ؟ اس کا فیصلہ خاوند کی نیت کے مطابق ہوگا۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس محمد بن عتیق نامی ایک شخص آیا اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا بات ہے، روتے کیوں ہو؟ اُس نے کہا: میں نے اپنی عورت کو اس کے معاملے کا مالک بنا دیا تھا تو اُس نے مجھ سے جدائی اختیار کر لی ہے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے پوچھا: تُو نے ایسا کیوں کیا؟ کہنے لگا: بس اسے تقدیر ہی سمجھ لیں۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تُو رجوع کرنا چاہتا ہے تو رجوع کر لے، یہ ایک ہی طلاق ہے اور تُو رجوع کرنے کا اس عورت سے زیادہ اختیار رکھتا ہے۔

اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا ایک دوسرا قول یہ نقل ہوا ہے اور اسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بھی قول بتلایا گیا ہے کہ ''القضاء ما قضت'' (عورت جو فیصلہ کرے گی وہی فیصلہ ہوگا) یعنی اس کے کہنے کے مطابق اسے طلاقِ رجعی یا بائنہ، ایک یا تین شمار کیا جائے گا کیوں کہ معاملہ اس کے سپرد کر دیا گیا تھا۔

اور ایک تیسری رائے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ بیان کی گئی ہے کہ اگر عورت اسے تین طلاقیں شمار کرے اور خاوند کہے کہ عورت کو طلاق کا مالک بناتے وقت میری نیت ایک طلاق تھی، تین طلاقوں کا انکار کرے، جس کا فیصلہ عورت نے کیا تھا تو خاوند سے قسم لی جائے گی اور پھر اسے ایک ہی طلاق شمار کر کے خاوند کو عدت کے اندر رجوع کرنے کا حق دیا جائے گا۔ (ملاحظہ ہو شیخ الحدیث مولانا حافظ ثناء اللہ مدنی حفظہ اللہ کی تالیف ''جائزۃ الاحوذی فی التعلیقات علیٰ سنن الترمذی'': ۲/۴۴۹-۴۵۱)

قدرے اختلاف کے باوجود ان آثار سے یہ واضح ہے کہ لڑائی جھگڑے کی صورت میں عورت کو علیحدگی کا اختیار دینا زیر بحث تفویض طلاق سے یکسر مختلف معاملہ ہے جس کا جواز اِن آثار سے کشید کیا جا رہا ہے۔ کیوں کہ ''أمرك بیدك'' کی صورت یا تو توکیل کی بنتی ہے کہ مرد کسی اور کو وکیل بنانے کے بجائے عورت ہی کو وکیل بنا دیتا ہے یا یہ کنائی صورت ہے کیوں کہ اس میں فیصلہ کن رائے خاوند ہی کی ہوگی کہ اگر عورت نے علیحدگی پسند کر لی ہے تو یہ کون سی طلاق شمار ہوگی، رجعی یا بائنہ، ایک یا تین؟ ایک رجعی شمار کرنے کی صورت میں خاوند کو عدت کے اندر رجوع کرنے کا حق حاصل ہوگا۔

اس سے زیر بحث تفویض طلاق کا اثبات کرنے والوں سے ہمارے چند سوال ہیں:

۱: تفویض طلاق والی عورت اگر خاوند کو طلاق دے دیتی ہے تو کیا اس میں خاوند کی نیت کا اعتبار ہوگا یا نہیں؟

۲: اگر خاوند کہے کہ میری مراد اس تفویض طلاق سے ایک طلاقِ رجعی تھی تو کیا خاوند کو عدت کے اندر رجوع کرنے کا حق حاصل ہوگا؟

۳: اور اگر رجوع کا حق حاصل ہوگا تو پھر تفویض طلاق کی شق ہی بے معنیٰ ہو جاتی ہے کیوں کہ جو عورت بھی اس حق کو استعمال کرتے ہوئے خاوند کو طلاق دے گی تو خاوند رجوع کر لیا کرے گا۔

۴: اگر تفویض طلاق میں طلاقِ بائنہ ہوگی تو پھر یہ صورت ''أمرك بیدك'' میں کس طرح آ سکتی ہے جس کو اس کے جواز میں دلیل کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے؟ جب کہ ''أمرك بیدك'' کی

صورت میں طلاق بائنہ نہیں ہوگی جیسا کہ آثار سے واضح ہے۔

تیسرا اِشکال: توکیل (وکیل بنانے) کی اجازت:

ایک تیسری اصطلاح ''توکیل'' ہے، یعنی ایک جائز کام کو خود کرنے کے بجائے کسی دوسرے شخص سے کرایا جائے۔

شریعت نے اس کو جائز رکھا ہے، اس کو نیابت بھی کہا جاتا ہے۔ طلاق دینا بھی (ناگزیر حالات میں) جائز ہے اور یہ صرف خاوند کا حق ہے، تاہم خاوند اپنا یہ حق طلاق وکیل کے ذریعے سے استعمال کرے تو دوسرے معاملات کی طرح یہ توکیل بھی جائز ہے۔ قرآن کریم کی آیت ﴿وَ اِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَ حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا﴾ [النساء: ۳۵] میں جمہور علماء کے نزدیک حَکمین (دو ثالثوں) کے ''توکیل بالفرقۃ'' ہی کے اختیار کا بیان ہے۔

اسی توکیل میں وہ خاص صورت بھی شامل ہے جو پنچایتی توکیل کی ضرورت پیدا کر دیتی ہے، مثلاً: ایک شخص اپنی بیوی کے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں کرتا حتیٰ کہ بیوی بار بار اپنے میکے آجاتی ہے اور خاوند بار بار حُسنِ سلوک کا وعدہ کر کے لے جاتا ہے لیکن وعدے کے مطابق حُسنِ سلوک نہیں کرتا، بالآخر لڑکی کے والدین تنگ آکر اس سے وعدہ لیں کہ اس دفعہ عہد کی پاسداری نہیں کی تو ہم آئندہ اس کو تمھارے پاس نہیں بھیجیں گے، خاوند سے پنچایت میں یہ اقرار لیا جائے۔ اس صورت میں یہ پنچایت ''توکیل بالفرقۃ'' کا کردار ادا کر کے دونوں کے درمیان جدائی کروا دے۔

پنچایت یا عدالت کا یہ فیصلہ طلاق کے قائم مقام ہو جائے گا، جیسے خلع میں عدالت کا فیصلہ فسخ نکاح سمجھا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس صورت میں بھی خاوند سے تفویض طلاق کا مطالبہ نہیں کیا جا سکتا کہ تم بیوی کو حق طلاق تفویض کرو، یعنی معاہدۂ حسنِ سلوک کی پاسداری نہیں کی گئی تو بیوی حق طلاق استعمال کرے گی بلکہ خلع کی طرح پنچایت یا عدالت ہی علیحدگی کا فیصلہ کرے گی۔

خلع اور اس توکیل میں فرق یہ ہے کہ خلع میں حق مہر واپس لینے کا حق خاوند کو حاصل ہے جب کہ پنچایتی فیصلے میں خاوند کو یہ حق نہیں ہوگا کیوں کہ یہ جدائی خاوند کے اقرار یا وعدے کی بنیاد پر ہوگی۔ دوسرے، توکیل کی وجہ سے یہ جدائی طلاق کے قام مقام ہوگی۔

چوتھی نوعیت: تفویض طلاق؟

چوتھی اصطلاح تفویض طلاق ہے جس کی اجازت فقہائے احناف اور دیگر بعض فقہاء دیتے ہیں لیکن شریعت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے جیسا کہ اس کی تفصیل پہلے گزری۔ کیوں کہ بیوی کو حق طلاق تفویض کرنے میں ان تمام حکمتوں کی نفی ہے جو حق طلاق کو صرف مرد کے ساتھ خاص کرنے میں مضمر ہیں۔

اس اعتبار سے عورت کو کسی بھی مرحلے میں حق طلاق تفویض نہیں کیا جا سکتا۔ نہ ابتدا میں عقدِ نکاح کے وقت اور نہ بعد میں عدمِ موافقت کی صورت میں۔ عدم موافقت کی صورت میں چار صورتیں جائز ہوں گی جن کی تفصیل گزری۔ ہم خلاصے کے طور پر اسے دوبارہ مختصراً عرض کریت ہیں:

۱: **تخییر**: نبی ﷺ کی طرح خاوند کی طرف سے عورت کو اختیار دیا جا سکتا ہے کہ وہ خاوند کے ساتھ رہنا پسند کرتی ہے یا نہیں؟ اگر اس کا جواب نفی میں ہو تو خاوند اس کو طلاق دے کر اپنے سے علیحدہ کر دے، جیسا کہ ﴿اُمَتِّعْكُنَّ وَ اُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا﴾ [الأحزاب: ۲۸] سے واضح ہے، یعنی طلاق دے کر علیحدگی کا کام مرد ہی کی طرف سے ہوگا۔

۲: **توکیل**: یا پھر حَکمین (دو ثالثوں) کے ذریعے سے توکیل کا اہتمام کیا جائے گا۔ ایک ثالث خاوند اور ایک بیوی کی طرف سے ہوگا۔ وہ دونوں میاں بیوی کی باتیں آمنے سامنے یا الگ الگ (جو بھی صورت مناسب اور مفید ہوگی) سنیں گے اور اس کی روشنی میں صلح و مفاہمت کی مخلصانہ کوشش کریں گے۔ لیکن اگر یہ کوشش کامیاب نہ ہوئی تو پھر وہ ان دونوں کے درمیان جدائی کا فیصلہ کر دیں گے۔ یہ فیصلہ بھی طلاق کے قائم مقام ہوگا۔

۳: "**أمرك بيدك**" کہہ کر خاوند عورت کو علیحدگی کا حق دے دے۔ یہ بھی اختلافات ختم کرنے کی ایک صورت ہے جو آثارِ صحابہ سے ثابت ہے اور یہ طلاقِ کنائی کی ایک شکل ہے۔

۴: **خلع یا پنچایت** کے ذریعے سے علیحدگی عمل میں لائی جائے گی۔ خلع کی صورت میں عورت کو حق ومہر وغیرہ واپس کرنا پڑے گا۔

ان چار طریقوں کے علاوہ کوئی پانچواں طریقہ اسلام کی تعلیمات کے مطابق نہیں ہوگا۔ اور یہ تفویض طلاق پانچواں طریقہ ہے جو فقہا کا ایجاد کردہ ہے جس کی شریعت میں کوئی اصل ہے، نہ صحابہ وتابعین کا کوئی اثر اس کی تائید میں ہے۔

ایک اور عجیب جسارت یا حیلہ:

احناف شریعت کے دیے ہوئے اس حق خلع کو نہیں مانتے جو عورت کو مرد کے حق طلاق کے مقابلے میں دیا گیا ہے جب کہ عورت کو اس کی ضرورت پیش آتی رہتی ہے۔ اس لیے احناف نے اس کا متبادل حل ایک تو تفویض طلاق کی صورت میں ایجاد کیا جس کی تفصیل گزشتہ صفحات میں آپ نے ملاحظہ کی، اس کا ایک اور حل فقہ حنفی کی کتابوں میں لکھا ہے جو عجیب بھی ہے اور اسلامی تعلیمات کے مقابلے میں شوخ چشمانہ جسارت بھی۔ اور وہ یہ ہے کہ اگر کسی عورت کو اس کا خاوند نہ چھوڑتا ہو اور وہ اس کے ہاتھ سے تنگ ہو تو وہ خاوند کے بیٹے سے زنا کروالے تاکہ وہ خاوند پر حرام ہو جائے کیوں کہ فقہ حنفی میں حرام کاری سے بھی رشتہ مصاہرت قائم ہو جاتا ہے۔ (بہ حوالہ شرح بخاری از مولانا داود راز دہلوی: ۸/ ۲۶۶، طبع مکتبہ قدوسیہ، لاہور)

اس حیلے کی بھی ضرورت اسی لیے پیش آئی کہ قرآن وحدیث میں بیان کردہ حق خلع علمائے احناف کو تسلیم نہیں، ورنہ اس قسم کی صورتوں میں عورت عدالت سے خلع کے ذریعے سے ناپسندیدہ یا ظالم شوہر سے نجات حاصل کرسکتی ہے۔ هداهم الله تعالى .

ہمارے نزدیک یہ حیلہ بھی بنائے فاسد علی الفاسد ہے۔ حرام کام کے کرنے سے کوئی حلال حرام نہیں ہوسکتا۔ میاں بیوی کا تعلق حلال ہے، بیوی اگر خاوند کے بیٹے سے اپنا منہ کالا کروائے گی تو زنا کاری جیسے جرم کبیرہ کی مرتکب ہوگی لیکن اس سے وہ اپنے میاں کے لیے حرام نہیں ہوگی، حدیث رسول ﷺ ہے:

((لا يحرم الحرام الحلال .))

(سنن ابن ماجه، رقم: ۲۰۱۵)

''حرام کام حلال کو حرام نہیں کرے گا۔''

(مزید ملاحظہ ہو إرواء الغليل للألباني: ۶/ ۲۸۷، نیز دیکھیے: تفسیر احسن البیان، سورۃ النساء کی آیت ۲۳ کا حاشیہ۔)

اس لیے اَسلم واَحوط راستہ عورت کے لیے حق خلع کا تسلیم کرنا ہے۔ اس حق شرعی کو ماننے کے بعد نہ تفویض طلاق کے کھکیڑ میں پڑنے کی ضرورت باقی رہتی ہے اور نہ اپنے سوتیلے بیٹے سے منہ کالا کرانے کی۔ اس کے بغیر ہی عورت خاوند سے نجات حاصل کرنا چاہے تو کر سکتی ہے۔ شریعت نے جب کئی معقول طریقے تجویز کیے ہوئے ہیں تو ان کو چھوڑ کر اپنے خودساختہ غیر معقول تجاویز پر اصرار کرنا کہاں کی دانش مندی ہے؟ (باقی آئندہ)



تحقیق وتدقیق

آثارِ صالحین سے تبرک کی شرعی حیثیت

طارق اسعد بن اسعد اعظمی (متعلم جامعہ سلفیہ، بنارس، یوپی، الہند)

دین اسلام ایک آسان مذہب ہے جو ہر قسم کے بے جا تکلفات اور پیچیدگیوں سے خالی ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

((إن الدين يسر .))(صحيح بخاري، رقم:۳۹)

''دین آسان ہے۔''

چنانچہ مذہب اسلام کو سادہ اور آسان بنا کر شارع نے متبعین سے ان تکلیف دہ چیزوں کو ہٹا دیا جن کی وہ استطاعت نہیں رکھتے۔ اور اس سادگی کے اہتمام اور بقا کی خاطر دین میں ہر اُس راستے کو بند کر دیا جس سے کوئی بھی نیا عمل اس میں داخل ہو سکے:

((من أحدث في أمرنا هذا ماليس منه فهو رد .)) (صحيح بخاري، رقم:۲۶۹۷)

''جس نے ہمارے اس دین میں کوئی ایسی چیز ایجاد کی جو اس میں نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔''

مذہب اسلام کی اس سادگی اور آسانی کے باوجود کچھ بدعتی طبقوں نے شریعت کے مقرر کردہ آسان راستوں کو نظر انداز کرتے ہوئے حصولِ ثواب کی خاطر دور دراز کے ایسے نت نئے طریقے ڈھونڈ نکالے جن پر عمل کرنا نہ صرف یہ کہ دشوار گزار ہے بلکہ ان کا شریعت مطہرہ سے دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں۔ یہ طریقے بہ ظاہر تو بہت ہی خوش نما اور دل فریب لگتے ہیں مگر درحقیقت ان میں پوشیدہ شناعت وقباحت پر اگر غور کیا جائے تو ان میں شرک کی کریہہ صورت نظر آتی ہے۔ ایک طبقے نے امت کو اِن مسائل میں اس طرح الجھا دیا ہے کہ دین کے اصل اور بنیادی معاملات نظروں سے اوجھل ہو گئے اور اب یہ طبقہ اصل دین کو چھوڑ کر ﴿كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ﴾ کی تصویر دکھائی دیتا ہے۔

ان مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ آثار صالحین سے تبرک کا ہے۔ اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ زیرِ نظر مضمون میں ان شاء اللہ ہم اس کو واضح کرنے کی کوشش کریں گے۔

تبرک کا معنیٰ:

تبرک ''برکت'' سے ماخوذ ہے۔ لغت میں برکت کا معنی ہے: نمو، اضافہ، سعادت۔ (القاموس المحیط از فیروز آبادی)

اصطلاحی تعریف میں علامہ ابن القیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"إن البركة كثرة الخير و دوامه ."

(بدائع الفوائد لابن القيم:۲/ ۱۸٤)

''برکت کہتے ہیں خیر کی فراوانی اور اس کے دوام کو۔''

اسی سے ''تبرک'' ہے جو باب تفعّل کا مصدر ہے جس کا معنیٰ ہے: برکت طلب کرنا، برکت چاہنا۔

قرآن وحدیث کا مطالعے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ برکت اور اس کی تمام انواع اللہ کی جانب سے ہیں۔ جیسے درج ذیل دو آیتوں اور اس جیسی دیگر آیات میں فرمایا:

❁.....﴿تَبَارَكَ الَّذِىْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ﴾[الملك:۱]

❁.....﴿وَبَارَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰى اِسْحَاقَ﴾[الصافات:۱۳]

اسی طرح بعض ایام اور مقامات کو اللہ نے متبرک بنایا ہے، جیسے: بیت اللہ الحرام، مکہ مکرمہ، مساجد، ماہ رمضان، عشرہ ذی الحجہ، یوم عرفہ اور یوم جمعہ وغیرہ۔ نیز بنی آدم میں سے بعض اہل ایمان کو متبرک بنایا ہے۔ شیخ صالح بن عبدالعزیز لکھتے ہیں:

''انبیاء ورسل کی ذات بابرکت ہے ،یعنی ان کے اجسام مبارک ہیں۔ اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام کے جسم کو مبارک بنایا۔حضرت ابراہیم ،نوح ،عیسی اور موسیٰ علیہم السلام کے اجسام کو مبارک بنایا۔'' (التمہید لشرح کتاب التوحید،ص:۱۲۵)

واضح رہے کہ وہ اشیاء ،اقوال اور افعال جن کو شریعت نے متبرک ٹھہرایا ہے وہ محض برکت کا سبب ہیں، نہ کہ بذات خود برکت دینے والی ہیں۔

صحابہ کرام کا نبی ﷺ کی ذات اور آپ ﷺ کی دیگر اشیاء سے تبرک:

جناب نبی ﷺ کی حیات مبارکہ میں صحابہ کرام آپ ﷺ کی ذات اور دیگر اشیاء، جیسے: موئے مبارک ،ریق مبارک اور وضو کے پانی سے تبرک حاصل کیا کرتے تھے۔ اس حوالے سے بہت سی حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔ذیل میں چند احادیث کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

❁ ......حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ جناب نبی کریم ﷺ ام سلیم رضی اللہ عنہا کے یہاں تشریف لے گئے اور بستر پر سو گئے۔ ام سلیم آئیں اور دیکھا کہ آپ ﷺ کو پسینہ آرہا ہے اور بستر کے ایک حصے پر پسینے کے قطرات جمع ہو گئے، چنانچہ وہ ایک شیشی لے آئیں اور آپ ﷺ کے پسینے کے قطرات جمع کرنے لگیں ۔ اسی دوران آپ ﷺ بے دار ہو گئے اور پوچھا کہ ام سلیم! کیا کر رہی ہو؟ کہا: ان مبارک قطرات میں ہم اپنے بچوں کے لیے برکت کے امیدوار ہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: درست ہے۔(صحیح مسلم،حدیث نمبر:۲۳۳۱)

❁ ......عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

"فوالله ما تنخم رسول الله ﷺ نخامة إلا وقعت في كف رجل منهم فدلك بهما وجهه و جلده ."

(صحيح بخاري، رقم: ۲۷۳۱)

''بخدا! اللہ کے رسول ﷺ کے منہ مبارک سے نکلا ہوا ہر تھوک کسی نہ کسی کے ہاتھ پر پڑتا اور وہ اسے اپنے چہرے اور جلد پر مل لیتا۔''

❁ ......ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"خرج علينا رسول الله ﷺ بالهاجرة، فأتي بوضوء فتوضأ، فجعل الناس يأخذون من فضل وضوئه، فيتمسحون به ."

(صحيح بخاري، رقم: ۱۸۷)

''رسول اللہ ﷺ ہمارے یہاں سخت گرمی میں دوپہر کے وقت تشریف لائے ،آپ ﷺ کے پاس وضو کا پانی لایا گیا تو آپ ﷺ نے وضو فرمایا۔لوگ آپ ﷺ کے وضو کے پانی کو لینے لگے اور اس کو اپنے اوپر ملنے لگے۔''

آپ ﷺ کی ذات سے تبرک کا یہ سلسلہ صرف آپ ﷺ کی حیات تک ہی محدود نہیں تھا۔صحابہ اور تابعین آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی آپ ﷺ کے آثار سے تبرک حاصل کرتے تھے۔حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما نے ایک مرتبہ ایک سیاہ جبہ نکالا اور کہا:

''یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھا یہاں تک کہ ان کی وفات ہو گئی۔ان کی وفات کے بعد اسے میں نے لے لیا۔ نبی ﷺ اسے پہنتے تھے ۔ ہم شفا حاصل کرنے کے لیے اس سے مریضوں کو غسل دیتے ہیں۔''

(صحیح مسلم،حدیث نمبر:۲۰۶۹)

ابن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''میں نے عبیدہ سے کہا کہ ہمارے پاس نبی ﷺ کا بال مبارک ہے جسے ہم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے یہاں سے پایا ہے۔میرے پاس اس بال کا ہونا میرے لیے دنیا و ما فیہا سے بہتر ہے۔'' (صحیح بخاری،حدیث نمبر:۱۷۰)

اس کے علاوہ اور بھی بہت سارے دلائل ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کی زندگی میں اور آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے آثار سے برکت حاصل کیا کرتے تھے۔

غیر نبی کے آثار سے تبرک:

مذکورہ بالا دلائل سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ تبرک کی یہ شکل صرف نبی کریم ﷺ کے ساتھ خاص ہے کیوں کہ آپ ﷺ کی ذات جس تقدس کی حامل ہے وہ کسی سے بھی مخفی نہیں۔ آپ ﷺ بنی نوعِ انسان میں سب سے پاکیزہ، سب سے مقدس اور سب سے متبرک ہستی ہیں، چنانچہ شریعت نے اس متبرک ہستی کے آثار سے تبرک کو جائز ٹھہرایا۔ لیکن اس امر پر کسی اور ذات کو قیاس کر کے اس کے آثار سے تبرک کی مشروعیت کا استدلال کرنا ''قیاس مع الفارق'' ہوگا۔ نبی ﷺ کے تقدس اور عظمت کی وجہ سے ان کی ذات یا آثار سے تبرک کی مشروعیت کا پتا چلتا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ نبی ﷺ کی ذات جس جلیل القدر منصب پر فائز ہے اس تک کوئی بھی بشر نہیں پہنچ سکتا۔ پھر کیوں کر نبی کے علاوہ دوسرے اولیاء وصلحاء کے آثار سے تبرک جائز ہوسکتا ہے۔ ڈاکٹر ناصر بن عبدالرحمٰن "التبـــرك ؛أنــواعـــه و أحكامه" (ص:۲۶۶) میں لکھتے ہیں:

> ''اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی ﷺ کی اس تبرک کے ساتھ خصوصیت ،اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ صالحین کو آپ ﷺ پر قیاس نہیں کیا جائے گا اور یہ کہ یہ چیز آپ ﷺ کے ساتھ مخصوص ہے، دوسروں کے لیے نہیں۔ علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ جب نبی کے حق میں کوئی خصوصیت ثابت ہو جائے تو وہ اس بات کی متقاضی ہے کہ دوسروں کا حکم آپ ﷺ جیسا نہیں کیوں کہ یہ حکم اگر غیر کو بھی شامل ہو جائے تو پھر اختصاص کا کوئی معنیٰ ہی نہیں رہ جاتا۔''

اس کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ صحابہ کرام جو آپ ﷺ کی حیات مبارکہ میں آپ ﷺ کی مختلف چیزوں سے تبرک حاصل کیا کرتے تھے، انھوں نے آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کے آثار کے علاوہ کسی چیز سے بھی تبرک نہیں حاصل کیا۔ نہ تو کسی مفضول صحابی نے افضل صحابی سے، نہ صحابی صغیر نے کبیر سے، نہ تابعی نے صحابی سے، نہ صحابہ نے خلفائے راشدین سے، نہ تو ان کی ذات سے اور نہ ہی ان کے آثار سے کبھی تبرک حاصل کیا۔ حالانکہ صحابہ کی جماعت میں افضل صحابہ: حضرت ابوبکر صدیق، فاروق اعظم حضرت عمر، حضرت عثمان ذوالنورین، علی بن ابی طالب، ابو ہریرہ، عبد اللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم وغیرہ کا ایک بڑا طبقہ موجود تھا۔ لیکن اس کے باوجود ہمیں کوئی ایسی دلیل نہیں ملتی جس سے تبرک بہ آثار صالحین کی مشروعیت کا استدلال کیا جا سکے حالانکہ یہ صحابہ آپ ﷺ کی ایک ایک سنت کو اپنانے والے اور ایک ایک امر کی پیروی کرنے والے تھے۔ امام ابن رجب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> ''ایسے ہی تبرک بالآثار کا معاملہ ہے، صحابہ نبی ﷺ سے تبرک حاصل کیا کرتے تھے، لیکن وہ ایک دوسرے سے تبرک نہیں حاصل کرتے تھے۔ اور صحابہ کرام کے بلند مرتبہ کے باوجود تابعین ان سے تبرک نہیں حاصل کرتے تھے۔ تو یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ چیز صرف نبی ﷺ کے ساتھ خاص تھی، جیسے آپ ﷺ کے وضو کا پانی، آپ ﷺ بال مبارک اور کھانے پینے کے بچے ہوئے حصے سے تبرک۔''

(الحکم الجدیرۃ، ص:۵۵)

اور اگر دوسرے ناحیے سے دیکھیں تو یہ بھی پتا چلتا ہے کہ صحابہ کرام نے اس کا سد باب کیا اور اس کی سختی کے ساتھ تردید بھی کی۔ حجر اسود، جس کے متعلق لوگ بہت زیادہ عقیدت رکھتے ہیں، اسے مخاطب کر کے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

> "إنـي أعـلـم أنك حـجـر لاتضر ولا تنفع ، ولـو لا أني رأيت رسول الله ﷺ يقبلك ما قبلتك ." (نسائي)

> ''مجھے معلوم ہے کہ تُو ایک پتھر ہے، نہ نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ نفع۔ اگر میں نبی کریم ﷺ کو تجھے بوسہ لیتے ہوئے نہ دیکھتا تو میں تیرا بوسہ نہ لیتا۔''

معرور بن سوید رحمہ اللہ ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ساتھ ایک سفر پر نکلے تو راستے میں ایک مسجد نظر آئی۔ لوگ اس میں نماز پڑھنے کے لیے دوڑ پڑے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ کیا معاملہ ہے؟ لوگوں نے کہا کہ اس مسجد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:

''تم سے پہلے کے لوگ اسی طرح کے کاموں کے سبب ہلاک ہوئے تھے۔ یہاں تک کہ انھوں نے ایسے مقامات کو صرف اسی وجہ سے عبادت گاہ بنا لیا۔ سنو! اگر نماز کا وقت ہوجائے تو ایسی جگہوں پر پڑھ لیا کرو، ورنہ اسے چھوڑ کر گزر جاؤ۔'' (البدع والنہی لابن وضاح، ص:۴۱، ۴۲)

شجرۃ الرضوان (جس کے نیچے بیعت رضوان ہوئی تھی) لوگوں نے اس کے نیچے بھی تبرکاً نماز پڑھنا شروع کردی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو جب پتا چلا تو آپ نے اس درخت کو جڑ سے کٹوا دیا۔
(البدع لابن وضاح، ص:۴۲، ۴۳)

صحابہ کرام کے بعد سلف صالحین بھی اس سلسلے میں بہت احتیاط برتتے تھے اور تبرک کی اس نوع کو ناپسند کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک شخص امام احمد رحمہ اللہ کے پاس آیا، اس نے اپنا ہاتھ امام صاحب کے کپڑوں سے چھو کر اپنے منہ پر پھیر لیا۔ امام احمد رحمہ اللہ بے حد ناراض ہوئے اور پوچھا کہ یہ تم نے کہاں سے سیکھا؟
(الحکم الجدیرۃ بالاذاعۃ، ص:۵۶)

آثار صالحین سے تبرک کیوں ناجائز ہے؟

شریعت نے ہر اُس دروازے کو بند کردیا جس سے شرک کے داخل ہونے کا ذرا بھی خدشہ ہو اور یہ محض اس وجہ سے کہ عبادت کی تمام انواع صرف اللہ کے لیےہو جائیں۔ آثار صالحین سے تبرک میں تو بہ ظاہر کوئی قباحت نظر نہیں آتی مگر اس کی آڑ میں جو بدعات اور شرکیہ اعمال جنم لے سکتے ہیں ان سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ کتب تاریخ میں مذکور ہے کہ بنو اسماعیل جب تلاش معاش کے لیے مکہ سے نکلتے تو اپنے ہم راہ حرم کا کوئی پتھر رکھ لیتے، جس سے مقصد محض تعظیم حرم ہوتی، کہیں پڑاؤ کرتے تو یہ پتھر رکھ کر کعبہ کی طرح اس کا طواف کرتے۔ رفتہ رفتہ یہ عادت اس کیفیت کو جا پہنچی کہ جو پتھر بھی انھیں پسند آیا اسی کو پوجنے لگے۔ (جائز اور ناجائز تبرک از ڈاکٹر علی بن نفیع العلیانی، ص:۵۳)

اس تناظر میں اگر موجودہ صورت حال پر نظر ڈالی جائے تو معاملہ اسی سے ملتا جلتا نظر آتا ہے۔ آثار صالحین سے تبرک کے نام پر نت نئی بدعتیں ظاہر ہورہی ہیں۔ ابتدا میں تو ان آثار سے تبرک حاصل کیا جاتا ہے اور پھر یہاں تک بات پہنچ جاتی ہے کہ انھیں ہی برکت دینے والا خیال کیا جانے لگتا ہے حالانکہ برکت عطا کرنا صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے، جیسا کہ ہم نے پہلے بھی ذکر کیا۔ امام شاطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''عام لوگ اس سلسلے میں ایک حد پر قائم نہیں رہتے بلکہ حد سے تجاوز کر جاتے ہیں اور برکت طلب کرنے میں جہالت کے سبب مبالغہ کر جاتے ہیں یہاں تک کہ متبرک بہ کی ایسی تعظیم کرتے ہیں جو حد سے باہر ہوتی ہے اور بسا اوقات متبرک بہ کے اندر ایسی چیز کا اعتقاد رکھتے ہیں جو اس کے اندر نہیں ہوتی۔'' (الاعتصام:۹/۲)

علماء کے اقوال:

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''غار حرا، غار ثور، کوہ طور یا ان پر بنی ہوئی عمارتیں یا نعل نبی یا مقام ولادت نبوی یا مقام بیعت عقبہ وغیرہ مقامات جو انبیاء وصلحاء کی طرف کسی طرح منسوب ہیں، امت کے لیے کسی طرح جائز نہیں کہ (بہ طور خاص اور بہ نیت اجر) ان کی زیارت کریں اور وہاں کی نماز وغیرہ کا قصد کریں اور اس میں کوئی خفا نہیں کہ اگر یہ عمل مشروع ومستحب یا کار ثواب ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ضرور لوگوں کو اس کی خبر دیتے اور خود ان کا شوق کرتے۔ تو جو شخص ان اعمال کو عبادت، اطاعت اور تقرب گردانتا ہے وہ ان صالحین کے طریقے پر نہیں ہے اور اس

نے ایسا دین بنادیا جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی۔''
(اقتضاء الصراط المستقیم)

شیخ سلیمان بن عبداللہ بن محمد بن وہاب نے آثار صالحین سے تبرک کے عدم جواز کی کئی وجوہات بیان کی ہیں، ان میں سے ایک وجہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ہم کسی شخص کے صالح ہونے کا تو گمان کر سکتے ہیں لیکن اس کے خاتمۂ اعمال کے بارے میں کچھ نہیں جانتے اور اعمال کا دارومدار خاتمے پر ہے۔تو ایسی صورت میں کسی شخص کے آثار سے تبرک نہیں حاصل کیا جاسکتا۔''

(تیسیر العزیز الحمید، ص:۱۸۶)

شیخ ابن باز رحمہ اللہ نے آثار صالحین سے تبرک سے متعلق ایک سوال کے جواب میں فرمایا:

''یہ(آثار صالحین سے تبرک) ایک منکر عمل ہے جو ناجائز ہے۔کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ مُردوں یا ان کی قبروں سے تبرک حاصل کرے اور نہ ہی اللہ کے سوا کسی کو پکارے۔ اس لیے کہ عبادت اکیلے اللہ کا حق ہے اور صرف اسی سے برکت طلب کی جاسکتی ہے۔''

(مجموع فتاوی ومقالات متنوعہ لابن باز:۳۴۰/۴)

ایک عبرت آموز واقعہ:

مولانا شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ جامع مسجد دہلی میں بیٹھے وعظ فرما رہے تھے کہ اتنے میں کچھ مجاور تبرکات کے نام سے کچھ چیزیں جامع مسجد کے کمرے سے نکال کر باہر لائے تو لوگ احتراماً کھڑے ہوگئے لیکن شاہ صاحب بدستور بیٹھے رہے۔مجاور اُن ''تبرکات'' کو اکبر شاہ ثانی کے دربار میں لے جارہے تھے۔ وہاں پہنچ کر وہ زاروقطار رونے لگے اور کہا: حضور! ان تبرکات کی بڑی توہین ہوئی ہے۔ خاندان ولی اللہ کے ایک مولوی صاحب مسجد میں موجود تھے۔ جب ہم تبرکات لے جانے لگے تو لوگ ان کے احترام میں کھڑے ہوگئے مگر یہ مولوی صاحب بیٹھے ہی رہے۔ بادشاہ نے شاہ صاحب کو طلب کیا اور کہا کہ نبی ﷺ کی زندگی پر کچھ روشنی ڈالیے۔ مولانا نے اہل مکہ کے مظالم اور سفر طائف وغیرہ کا اس انداز سے نقشہ کھینچا کہ بادشاہ زاروقطار رونے لگا۔ پھر بادشاہ نے استفسار کیا کہ مولانا! جب آپ نبی ﷺ کے فضائل ومحامد کے اتنے معتقد ہیں تو نبی کے تبرکات کی تعظیم کیوں نہیں کرتے؟ شاہ اسماعیل رحمہ اللہ نے جواب دیا کہ اول تو ان تبرکات (نعلین اور موئے مبارک) کی آنحضرت ﷺ سے نسبت پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی۔اور اگر یہ چیزیں تبرک کی ہوتیں تو آپ کو ان کی زیارت کے لیے جانا چاہیے تھا نہ کہ یہ چیزیں آپ اپنے پاس منگواتے۔ نیز شاہ صاحب نے صحیح بخاری منگوائی اور کہا کہ اس میں حضور ﷺ کی سنن پوری صحت کے ساتھ درج ہیں مگر آپ نے ان کی کوئی عزت نہیں کہ مگر یہ رسمی بال ونعل جن کی صحت پر کوئی شہادت نہیں، آپ نے ان کی تعظیم کو ضروری سمجھا۔

(محبت رسول ﷺ از مقصود الحسن فیضی، ص:۱۱۵-۱۱۷)

حرف آخر:

اس بحث سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ آثار صالحین سے تبرک ایک غیر شرعی عمل ہے جس کی کوئی اصل نہیں۔ روئے زمین پر انبیاء کے بعد سب سے افضل صحابہ کرام نے آثار صالحین (غیر نبی) سے نہ تو کبھی تبرک حاصل کیا اور نہ اس کی طرف کسی کی راہ نمائی کی، نہ اسے جائز سمجھا اور نہ اس پر عمل کیا۔ سلف صالحین اور ائمہ عظام نے بھی اس پر مطول ومدلل گفتگو کی ہے جس کا ماحصل یہی ہے کہ یہ ایک ناجائز عمل ہے جو سدذریعہ کے طور پر ممنوع ہے۔

اللہ رب العزت ہمیں ہر قسم کے مبتدعانہ عمل سے بچائے اور دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائے۔ آمین



تبصرۂ کتب

تبصرے کے لیے کتاب کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے

مقالات راشدیہ (جلد ششم، جلد ہفتم، جلد ہشتم)

تصنیف: مولانا سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ
ناشر: نعمانی کتب خانہ، حق سٹریٹ، اردو بازار، لاہور
مرتب: مولانا افتخار احمد ازہری، شیخ الحدیث جامعہ بحر العلوم، میرپور خاص (سندھ)
خصوصیات: کمپوزنگ، کاغذ، طباعت بہتر، خوب صورت مضبوط جلد
ضخامت: جلد ششم: ۶۲۴ صفحات۔ جلد ہفتم: ۶۷۰ صفحات، جلد ہشتم: ۵۰۰ صفحات
تبصرہ نگار: محمد اسحاق بھٹی

برصغیر کے جن خاندانوں نے تصنیف و تالیف، تقریر و خطابت اور درس و تدریس کے ذریعے قرآن و حدیث کی خدمت میں شہرت پائی ان میں صوبہ سندھ کے راشدی خاندان کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ بالخصوص اس دُودمانِ عالی کے دو لائق احترام بھائیوں (سید محبّ اللہ شاہ راشدی اور سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمہما اللہ) کی خدمات کا سلسلہ اللہ کی مہربانی سے بہت پھیلا ہوا ہے جس کا تذکرہ رجال سے متعلق متعدد کتابوں میں کیا گیا ہے اور جماعت اہل حدیث کے اخبارات و جرائد میں بھی ہم ان کے متعلق پڑھتے رہتے ہیں۔ بہت عرصہ پیشتر اس فقیر نے بھی اپنی ایک کتاب ''کاروانِ سلف'' میں ان لائق تکریم راشدی برادران کے بارے میں خاصی تفصیل سے لکھا تھا اور ان کی کتابوں کی پوری فہرست درج کی تھی جو انھوں نے عربی، اردو اور سندھی میں تصنیف کیں۔ یہ کتاب مکتبہ اسلامیہ (فیصل آباد) کی طرف سے شائع کی گئی تھی۔

ہمارے فاضل دوست مولانا افتخار احمد ازہری نے تو اپنے مجلّہ ''بحر العلوم'' کے خاص نمبروں میں ان حضرات کے واقعات و خدمات کی تفصیلات کا پوری طرح احاطہ کرلیا ہے جو ہزاروں صفحات میں پھیلی ہوئی ہیں۔

مولانا افتخار احمد ازہری کو اللہ نے توفیق عطا فرمائی کہ وہ جامعہ بحر العلوم کے نام سے دار العلوم بھی چلا رہے ہیں جس میں کئی اساتذہ طلباء کو علوم قرآن و حدیث اور دیگر مروّجہ فنون کی تعلیم دے رہے ہیں اور وہاں قلمی کام بھی باقاعدگی سے کیا جارہا ہے۔ نہایت اہم کام جس میں وہ ایک مدت سے مشغول ہیں؛ سید بدیع الدین شاہ صاحب کی تصنیفی کاوشوں کو جمع کرنا اور انھیں موضوع وار مقالات کی صورت میں مرتب کرنا اور پھر انھیں معرضِ اشاعت میں لانا ہے۔ حضرت شاہ صاحب مرحوم و مغفور نے صوبہ سندھ کی فضاؤں میں چھائی ہوئی بدعات کے اندھیروں میں کتاب و سنت کی روشنی پھیلانے کی کوشش فرمائی اور اللہ نے اس میں انھیں کامیابی سے نوازا، یہ ان کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ وعظ و خطابت کی صورت میں بھی انھوں نے بے حد تگ و دو کی اور قلم و قرطاس کی شکل میں بھی ان کی مساعی سے لوگ بہت متاثر ہوئے۔

اس سے قبل مولانا افتخار احمد ازہری کی شب و روز کی محنت سے مقالات راشدیہ کی پانچ جلدیں شائع ہوچکی ہیں جو مختلف موضوعات پر مشتمل ہیں۔ اب چھٹی، ساتویں اور آٹھویں (تین) جلدیں ہمارے سامنے ہیں جو ۲۰۱۴ء کے فروری اور مارچ دو مہینوں میں شائع ہوئیں۔ مجموعی طور پر یہ تین جلدیں سولہ سو صفحات پر محیط ہیں اور پہلی پانچ جلدوں کی طرح انھیں بھی نعمانی کتب خانہ (لاہور) نے شائع کیا ہے۔

مقالات کی چھٹی جلد میں فاتحہ خلف الامام اور مسئلہ رفع الیدین پر بحث کی گئی ہے اور ان دونوں مسئلوں کو تفصیل سے بیان فرمایا گیا ہے۔ اپنے موضوع کی یہ نہایت محققانہ کتاب ہے۔ اس پر مقدمہ مولانا حافظ زبیر علی زئی مرحوم ومغفور کا لگایا گیا ہے اور فلاپ لکھا ہے مولانا راشد حسن صوفی بیرانی (مدرس جامعہ بحر العلوم السّلفیہ، میرپور خاص) نے۔

مقالات راشدیہ کی ساتویں جلد میں جن مسائل کو حیطۂ تحریر میں لایا گیا ہے، وہ ہیں: نماز وتر، نماز تراویح، اتباع سنت اور بعض دیگر اہم مسائل۔ ۴۷۰ صفحات کی یہ کتاب جن مسائل پر محیط ہے، ان مسائل کے تمام پہلوؤں کی وضاحت دلائل کے ساتھ کرتی ہے۔ کسی قسم کی کوئی تشنگی باقی نہیں رہتی۔ اس پر مقدمہ ہمارے فاضل دوست حافظ فاروق الرحمان یزدانی (مدرس جامعہ سلفیہ، فیصل آباد) کا تحریر کردہ ہے اور فلائپ حافظ ابورئیس ثناء اللہ خان بیرانی (مدرس جامعہ بحر العلوم السّلفیہ، میرپور خاص) نے لکھا ہے اور ''حرفِ چند'' کے عنوان سے مولانا محمد یاسین شاد کی مختصر تحریر بھی ہے۔

آٹھویں جلد نو مقالات کا علمی مجموعہ ہے اور یہ مجموعہ پانچ سو صفحات میں پھیلا ہوا ہے۔ اس پر تقدیم مرتبِ کتاب مولانا افتخار احمد ازہری نے لکھی ہے اور فلائپ مولانا محمد عبداللہ سلیم (نائب شیخ الحدیث جامعہ بحر العلوم السّلفیہ، میرپور خاص) نے تحریر فرمایا ہے۔

ان مقالات میں بعض مقالے وہ ہیں جو شاہ صاحب مرحوم نے اردو زبان میں رقم فرمائے اور بعض سندھی زبان میں۔ سندھی زبان کے مقالات کا اردو زبان میں ترجمہ کیا گیا ہے۔

شاہ صاحب رحمہ اللہ کی تقریر کا بھی ایک خاص انداز تھا اور تحریر کا بھی۔ سندھ میں چونکہ پیر پرستی اور بدعات کا چلن ہے، بہت سے علاقوں میں قرآن وحدیث کو عموماً مرکز عمل نہیں ٹھہرایا جاتا، اس لیے حضرت موصوف نے حالات کے مطابق اپنی تحریروں اور تقریروں کا موضوع شرک وبدعات کی تردید اور خالص قرآن وحدیث کی تبلیغ کو بنایا۔ اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت میں ان کے لہجے میں بعض اوقات جو تلخی سی آجاتی تھی، اسے ان کے ماحول اور علاقے کی خلافِ قرآن وحدیث فضا کا منطقی ردِعمل قرار دینا چاہیے۔

خوشی کی بات ہے کہ مولانا افتخار احمد ازہری ایک خاص عزم اور جذبے کے ساتھ حضرت مرحوم کی تحریریں موضوع وار جمع اور مرتب کر کے ''مقالات راشدیہ'' کے خوب صورت نام کے ساتھ شائع کر رہے ہیں اور اس جمع وتدوین اور اشاعت کی رفتار ماشاء اللہ بڑی تیز ہے۔ ہم اپنے معزز قارئین سے امید رکھتے ہیں کہ وہ اس سلسلے میں مولانا افتخار احمد ازہری کے ساتھ تعاون فرمائیں گے اور ان خالص علمی اور تحقیقی مقالات سے استفادہ کریں گے۔



فضائل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (حصہ اول)

مصنف: مولانا محمد اقبال کیلانی حفظہ اللہ

ضخامت: ۲۸۸ صفحات

ملنے کا پتا: حدیث پبلی کیشنز، ۲۔شیش محل روڈ، لاہور۔

رابطہ نمبر: 042-37232808,0300-4903927

تبصرہ نگار: حماد الحق نعیم

دین اسلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے آخری دین ہے۔ اس کی ایک خوبی یہ ہے کہ خدا باری تعالیٰ خود اس کا محافظ ونگہبان ہے۔ حضرت محمد ﷺ جب تک دنیا میں رہے، اپنے عمل اور دوسروں کو اسلام کی تلقین کے ذریعے گویا دین کی حفاظت وصیانت کا بندوبست فرماتے رہے۔ آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے پیروکاروں کی اولین جماعت، یعنی اصحاب مکرم رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کے اس مشن کو جاری رکھا، چنانچہ اُنھوں نے ہر ممکن اسباب کو بروئے کار لاتے ہوئے خلافِ اسلام ہر بات کی بیخ کنی فرمائی۔ اس لیے اگر ہم اسلام کے محفوظ و مامون ہونے کی بات کہتے ہیں تو لازمی طور پر اس کا یہی مطلب ہوگا کہ ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اپنے مکمل اعتماد کا اظہار کر رہے ہیں۔ بہ صورت دیگر ہمارا ایسا دعویٰ بہ ذاتِ خود باطل قرار پائے گا۔

مگر افسوس ناک امر یہ ہے کہ مسلمانوں میں ایسا ذہن رکھنے والے افراد موجود رہے ہیں اور اب بھی ہیں جن کا نظریہ اس اوّلین جماعت کے بارے میں ناروا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے افراد دین محمدی کی اکملیت پر ہمیشہ حرف سوال اُٹھاتے رہے اور اس مقدس جماعت پر تبرابازی جن کا شعار بن چکی ہے۔

زیرتبصرہ کتاب ''فضائل صحابہ'' (حصہ اول) اسی ضرورت کے پیش نظر ترتیب دی گئی ہے۔ قابل احترام مصنف مولانا محمد اقبال کیلانی حفظہ اللہ محتاج تعارف نہیں۔ ''تفہیم السنۃ'' کے نام سے خالص اسلامی تعلیمات کو عوام الناس تک جس طرح وہ پہنچا رہے ہیں، وہ انھی کا خاصہ ہے۔ ان کی تصنیفات کو جس طرح قبول عام اور شہرت دوام حاصل ہوئی وہ ان کے خلوص کا منھ بولتا ثبوت ہے۔ پیش نظر کتاب ''فضائل صحابہ'' (حصہ اول) بھی اسی ''سلسلۃ الذہب'' کی انتیسویں کڑی ہے۔ انداز تصنیف خالص محدثانہ ہے۔ ابتدائے کتاب میں تقریباً اکسٹھ صفحات پر محیط ایک طویل مگر جان دار اور پرمغز مقدمہ ہے جو مولانا اقبال کیلانی حفظہ اللہ کی جولانیِ طبع کا نتیجہ ہے جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی خدمات کو علی سبیل الاجمال بیان کیا گیا ہے۔

اس کے بعد اصل کتاب کی ابتدا ہوتی ہے۔ ذی تکریم مصنف نے محدثین کی طرز پر کتاب کو مختلف مرکزی عناوین میں تقسیم کیا ہے، پھر وضاحت اور سہولت کے لیے مزید ذیلی سرخیاں قائم فرمائی ہیں، جیسے کتب احادیث میں محدثین پہلے ایک ''کتاب'' قائم فرماتے ہیں اور پھر اس کے ذیل میں ابواب۔

سب سے پہلے قرآن وسنت اور تورات وانجیل کی روشنی میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی فضیلت کا بیان ہے، پھر اہل بیت، مہاجرین وانصار، اہل قباء، اہل بدر وعلی ہذا القیاس دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دل نشین تذکرہ فرمایا گیا ہے۔ ان کے علاوہ کتاب ہذا میں عشرہ مبشرہ اور دس سابقون الاولون صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی ایمان افروز ذکر موجود ہے۔

چھتیس مرکزی اور تین صد پچانوے ذیلی عنوانوں میں منقسم یہ کتاب افادیت کے اعتبار سے نہایت اہمیت کی حامل ہے۔ کتاب کے مطالعے سے ایک ایسی جماعت مقدسہ کا خاکہ ذہن میں بیٹھتا ہے جس نے سچائی کے خاطر یمین و یسار کی مطلق پروانہ کی اور سب سے قیمتی چیزیں، یعنی اپنی جان اور مال کو حتیٰ کہ اپنے متعلقین کو بھی اسی صداقت وحقانیت پر نچھاور اور قربان کر دیا۔ اگر آج کا نام نہاد ''اہل ایمان'' پھر بھی اس مخلص ترین جماعت پر اپنی زبانِ طعن کو دراز کرتا ہے تو علاوہ افسوس کے اور کیا کیا جا سکتا ہے!

بہر حال کتاب ہذا اپنی معنوی خوبیوں کے باعث ہر گھر اور ہر مسلمان کے مطالعہ میں ہونی چاہیے۔ کتاب طباعتی اور پروف خوانی کی غلطیوں سے تقریباً پاک ہے، عربی عبارتوں میں کچھ غلطیاں البتہ باقی رہ گئی ہیں۔ آئندہ ایڈیشن میں ان کی ضرور اصلاح کر لی جائے۔

صفحہ (۵۴) پر ضمناً لائق احترام مصنف نے انگلش زبان کو اس لیے غیر معقول کہا ہے کہ لفظ But کو بَٹ اور Put کو پُٹ پڑھا جاتا ہے۔ اسی طرح Talk میں ''L'' ساقط التلفظ ہے جب کہ Colonel میں ''ر'' کا اضافہ کرتے ہوئے اسے ''کرنل'' پڑھا جاتا ہے۔

غیر معقولیت کی یہ وجہ بجائے خود غیر معقول ہے۔ کیوں کہ اس طرح زبان فارسی و اُردو بھی کچھ نہ کچھ غیر معقول ٹھہرے گی کہ ان میں بھی ساقط التلفظ الفاظ موجود ہیں، مثلاً: خیر خواہ، خواہش، خوار، خواب وغیرہ۔ اور اس طرح کے الفاظ بھی زبانِ اُردو میں موجود ہیں جن کی کتابت ایک جیسی ہوتی ہے مگر تلفظ مختلف، مثلاً: پتا (درخت کا) اور پتا (ایڈریس) وغیرہ۔ پہلے لفظ کا تلفظ بالتشدید ہے، جب کہ دوسرے کا بالتخفیف۔

اسی طرح اگر کوئی اسی دلیل کو لے کر یہی اعتراض قرآن مجید پر کر دے کہ بعض قراءتوں میں تلفظ کے سقوط سے ملتی جلتی کیفیت بعض مقامات پر پیدا ہو جاتی ہے تو پھر ہمارے پاس کیا جواب ہوگا!

ہم محض انگریز اوران کی زبان کی مدافعت تو نہیں کر رہے مگر یہ ضرور پوچھنا چاہیں گے کہ اگر یہ زبان ایسی ہی غیر معقول ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ اب یہ رابطے کی عالمی زبان بن چکی ہے ۔ بلکہ اُردو کے بعض محققین کے کہنے کے مطابق دور حاضر کا بہترین ادب اسی زبان میں تخلیق ہورہا ہے۔



لائبریری کا قیام

جامع مسجد قبا بھلوال میں حضرت علامہ حکیم فیض عالم صدیقی رحمہ اللہ کی یاد میں ایک لائبریری قائم کی گئی ہے ۔ استفادہ کے لیے احباب تشریف لائیں۔

ڈاکٹر فیض الرحمان صدیقی۔ 0314-4927009



جامعہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اہلحدیث کا اعزاز

جامعہ کے ذیلی ادارے جامعہ عائشہ صدیقہ للبنات کی طالبات نے وفاق تعلیمات الاسلامیہ کے سالانہ امتحان میں شرکت کی پانچ طالبات نے 70% سے زائد نمبر حاصل کیے جس پر حکومت پنجاب نے درج ذیل طالبات کو سولر لیمپ دیے۔ حافظہ شبانہ کوثر 2 سدرہ انور 3 جویریہ شرافت 4 مافیہ صدیق 5 قافیہ صدیق 06-05-2014 کو جامعہ کے ایک اجلاس میں جس کی صدارت رئیس الجامعہ حافظ محمد ایوب خالد نے کی اور حکومت پنجاب کا شکریہ ادا کیا جنہوں نے گزشتہ سال کی طرح امسال بھی عصری اداروں کے ساتھ ساتھ دینی اداروں کی بھی حوصلہ افزائی کی اجلاس میں اساتذہ، طلبہ، طالبات نے وزیر اعلیٰ سے اپیل کی ہے کہ جس طرح سائنس ڈگری ہولڈرز کو سکولز و کالجز میں تعینات کیا جا رہا ہے وہاں آرٹس ڈگری ہولڈرز کو بھی مناسب سکولز و کالجز میں بھرتی کر کے حوصلہ افزائی کی جائے۔

منجانب: حافظ محمد شاہد ثانی۔ مدرس جامعہ عائشہ صدیقہ للبنات منڈی جھبراں 0300-6288298

فہرست اردو کتب

محمد عطاء اللہ حنیف لائبریری

دار الدعوۃ السلفیہ، لاہور

۸۹۳ء۲۹۷ احمد صدیق سونڈوی

ا ل احتساب قادیانیت جلد (۳۱)، ص: ۵۵۲۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، حضوری باغ روڈ، ملتان۔

۱۔ احمد صدیق سونڈوی۔ اسلامی درّہ المعروف کذبات مرزا۔

۲۔ ڈاکٹر نور حسین صابر کربلائی۔ خاتم النبوۃ۔

۳۔ حبیب الرحمان خان کابلی۔ قادیان دار الامان میں انقلاب۔

۴۔ عبد اللطیف گجراتی۔ کھینچواں نبی، بشیر پتر، محکوم مسلم، بخاری داڈنڈا۔

۵۔ عبد القدیر امروہی۔ مرزائی احمدیوں کی شرمناک رسوائی۔

۶۔ ابوالمحاسن محمد ارشد۔ رشد وہدایت بجواب کفر وضلالت

۷۔ حافظ محمد اسحاق قریشی۔ کشف التلبیس۔

۸۔ حافظ محمد اسحاق قریشی۔ اظہار الحق۔

۹۔ محمد علی امرتسری۔ سودائے مرزا۔

۱۰۔ عبد الرشید طالوت۔ مضمون چور۔

۱۱۔ نور الحق علوی۔ قادیانیت اور اُس کے مقتدا۔

۱۲۔ نور الحق علوی۔ التعرف بیوذ آسف۔

۱۳۔ نور الحق علوی۔ الشہاب علی الرجیم الکاذب، یعنی اسلام اور مرزائیت کا تضاد۔

۱۴۔ نور الحق علوی۔ مجلس مستشار العلماء کا قیام۔

۱۵۔ عبد المجید۔ تعبیر رؤیائے حقانی ردّ ہفوات قادیانی۔

۱۶۔ ابوالحریز عبد العزیز۔ اکاذیب مرزا۔

۱۷۔ فصیح احمد بہاری۔ پنجابی مسیح موعود پر ایک سرسری نظر۔

۱۸۔ سیکرٹری انجمن تائید الاسلام لاہور۔ خدمات مرزا۔

۱۹۔ سیکرٹری دار الاشاعت رحمانی (مونگیر)۔ آئینہ کمالات مرزا۔

۲۰۔ محمد ادریس دہلوی۔ حقیقت مرزا۔

۸۹۳ء۲۹۷ غلام جیلانی برق

غ ل احتساب قادیانیت، جلد (۳۲)، ص: ۵۹۲۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت حضوری باغ روڈ، ملتان۔

۱۔ غلام جیلانی برق۔ حرف محرمانہ۔

۲۔ ملک محمد جعفر خان۔ احمدیہ تحریک۔

۳۔ غلام احمد پرویز۔ ختم نبوت اور تحریک احمدیت۔

۸۹۳ء۲۹۷ محمد سرفراز خان صفدر

م ل احتساب قادیانیت جلد (۳۳)، ص: ۴۶۴۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت حضوری باغ روڈ، ملتان۔

۱۔ محمد سرفراز صفدر۔ مودودی صاحب کا ایک غلط فتویٰ۔

۲۔ محمد سرفراز خان صفدر۔ ضوء السراج فی تحقیق المعراج

۳۔ محمد سرفراز خان صفدر۔ توضیح المرام فی نزول المسیح علیہ السلام۔

۴۔ محمد سرفراز خان صفدر۔ ختم نبوت قرآن وسنت کی روشنی میں۔

۵۔ صاحبزادہ طارق محمود ۔ خانہ ساز نبوت کے پجاریوں اورمرزاطاہرکی دعوت مباہلہ کا کھلا کھلا جواب ۔
۶۔صاحبزادہ طارق محمود۔آنکھیں کھولیں۔
۷۔صاحبزادہ طارق محمود۔نوجوانان فیصل آباد کے نام کھلا خط۔
۸۔صاحبزادہ طارق محمود۔ژوب میں تحریک ختم نبوت ایک نظر میں۔
۹۔صاحبزادہ طارق محمود۔فیصلہ آپ کیجیے۔
۱۰۔صاحبزادہ طارق محمود۔شناختی کارڈ میں مذہب کا خانہ(شرعی وقانونی حیثیت)
۱۱۔احمد عبدالحلیم کانپوری۔راہ حق۔
۱۲۔عبدالرزاق سلیم خانی۔ تحفۃ الایمان لاہل القادیان۔
۱۳۔محمد بشیر اللہ مظاہری ۔(دونبی: نبی صادق اور نبی کاذب)

۸۹۳ء۲۹۷اسراراحمدآزاد

ا ا احتساب قادیانیت جلد(۳۴)ص:۵۲۸۔عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت حضوری باغ روڈ،ملتان۔
۱۔اسراراحمدآزاد۔کفریات مرزا۔
۲۔محمدامیرالزمان کشمیری۔فتنہ مرزائیت۔
۳۔محمد عبداللہ خان جتوئی ۔مرزاغلام احمد قادیانی کے شیطانی الہامات اورشیطانی تحریریں۔
۴۔محمدعبداللہ خان جتوئی ۔حیات عیسیٰ اورمرزا قادیانی کا اقراروانکار۔
۵۔محمد عبداللہ خان جتوئی ۔ مرزا قادیانی اور غیرمحرم عورتیں ۔
۶۔محمد عبداللہ خان جتوئی ۔ حیات ونزول مسیح اور مرزا قادیانی۔
۷۔محمد عبداللہ خان جتوئی ۔مرزا غلام احمد قادیانی کی خطرناک بیماریاں اورعبرت ناک موت۔
۸۔محمدعبداللہ خان جتوئی۔مرزائیت سے توبہ۔
۹۔ فرزند توحید۔ بناسپتی نبی اور اُس کے صحابہ کا چال چلن ۔
۱۰۔فرزندتوحید۔عبرت ناک موت۔
۱۱۔فرزندتوحید۔ربوئے کاراسپوٹین یامذہبی آمر۔
۱۲۔فرزندتوحید۔مسخروں کی محفل یا قادیانی انبیاء۔
۱۳۔فرزند توحید۔حکومت مغربی پاکستان کے پانچ سوال اوراُن کا جواب۔
۱۴۔ فرزند توحید۔علامہ اقبال کا پیغام ملت اسلامیہ کے نام۔
۱۵۔فرزند توحید۔مرزا قادیانی زندیق اور حکومت برطانیہ۔
۱۶۔محمد اسحاق صدیقی ۔مسئلہ ختم نبوت علم وعقل کی روشنی میں ۔
۱۷۔محمداسحاق صدیقی۔آخری نبی۔

۸۹۳ء۲۹۷عبدالقادرآزاد

ع ا احتساب قادیانیت جلد(۳۵)ص:۶۴۰۔عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت،حضوری باغ روڈ،ملتان۔
۱۔عبدالقادرآزاد۔مرزائیت غیرمسلم اقلیت اپنی تحریروں کے آئینے میں۔
۲۔عبدالقادرآزاد۔اسلام کے بنیادی عقیدہ ختم نبوت کی اہمیت اورحکمتیں۔



طلوعِ اسلام

دلیلِ صبحِ روشن ہے ستاروں کی تنک تابی
افق سے آفتاب ابھرا،گیا دورِ گراں خوابی
عروقِ مردۂ مشرق میں خونِ زندگی دوڑا
سمجھ سکتے نہیں اس راز کو سینا وفارابی
مسلماں کو مسلماں کردیا طوفانِ مغرب نے
تلاطم ہائے دریا ہی سے ہے گوہر کی سیرابی
عطا مومن کو پھر درگاہِ حق سے ہونے والا ہے
شکوہِ ترکمانی، ذہنِ ہندی، نطقِ اعرابی
اثر کچھ خواب کا غنچوں میں باقی ہے تو اے بلبل!
''نوا را تلخ تر می زن چو ذوقِ نغمہ کم یابی''
تڑپ صحنِ چمن میں، آشیاں میں، شاخساروں میں
جدا پارے سے ہوسکتی نہیں تقدیرِ سیمابی
وہ چشمِ پاک بیں کیوں زینت بر گستواں دیکھے
نظر آتی ہے جس کو مردِ غازی کی جگر تابی
ضمیرِ لالہ میں روشن چراغِ آرزو کردے
چمن کے ذرّے ذرّے کو شہیدِ جستجو کردے
سر شکِ چشمِ مسلم میں ہے نیساں کا اثر پیدا
خلیل اللہ علیہ السلام کے دریا میں ہوں گے پھر گہر پیدا
کتابِ ملتِ بیضا کی پھر شیرازہ بندی ہے
یہ شاخِ ہاشمی کرنے کو ہے پھر برگ و بر پیدا
ربود آں ترک شیرازی دلِ تبریز و کابل را
صبا کرتی ہے بوئے گل سے اپنا ہم سفر پیدا
اگر عثمانیوں پر کوہِ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے
کہ خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

(علامہ محمد اقبالؔ)